قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا اِکہترواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

جون 2014ء

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

اے مومنو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں،
جس طرح تم سے پہلی اقوام پر فرض کیے گئے تھے۔
اس سے مقصد یہ ہے کہ تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرنے کے قابل ہوسکو،
اور زندگی کے سفر میں راستے کے خطرات سے محفوظ رہو۔ (البقرہ:183)



قارئینِ طلوعِ اسلام کو ماہِ صیام مبارک ہو

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL NO. 28
VOL.67
ISSUE
6

Monthly
TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546 , 042-35753666 , 042-35764484
E-mail:idara@toluislam.com
web:www.toluislam.com

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں نزول قرآن کی ابتداء ہوئی تھی۔ وہ قرآن جو تمام نوع انسانی کو اس کی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی ایسی راہ بتاتا ہے جس میں حق اور باطل میں تمیز ہوتی رہے۔ سو جو شخص اِس مہینے میں، اپنے گھر پر موجود ہو، تو اُسے چاہیے کہ اِس مہینے کے روزے رکھے لیکن جو مریض ہو یا حالتِ سفر میں، تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔ اللہ تمہارے لیے آسانیاں چاہتا ہے۔ سختی اور تنگی پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ اِس لیے تم دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرلیا کرو۔ روزوں سے مقصد یہ ہے تم اِس قابل ہو جاؤ کہ اللہ نے جو راہنمائی تمہیں قرآن کی صورت میں عطا کی ہے اُس کے ذریعے تم قانون خداوندی کو ساری دنیا کے قوانین سے بلند کرسکو۔ اور اِس مقصد کے لیے تم جو کوشش کرو، وہ بھرپور نتائج کی حامل ہو۔ (البقرہ:185)

جلد 67 شمارہ نمبر 6 جون 2014ء

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: قوم کے اعصاب کس نے کمزور کر دیئے؟	ادارہ	3
پرویز صاحب کا نظریہ حدیث وسُنّت	ملک منظور حسین لیل	5
متحرک نفسیات	راجہ عبدالعزیز	15
تقویٰ کا دینی مفہوم	خواجہ ازہر عباس	23
الهداية والعرفان فی تفسير القرآن بالقرآن	آصف جلیل	32
پاکستان نہیں تو کچھ بھی نہیں!	عطاء الحق قاسمی	39
چند طالب علمانہ معروضات وسوالات	وسعت اللہ خان	42
بزمِ چنیوٹ کے زیر اہتمام خواتین کی قرآنی محفل	آفتاب عروج	45

ENGLISH SECTION

THREE GIANTS AND SYSTEMS *Saleena Karim* 46

Surah *Al-Qiyamah* – Durus-al-Qur'an By G.A.Parwez

Parah 29: Chapter 25 Translated by: Dr. Mansoor Alam 50

دفتر کا پتہ 25-B گلبرگ 2، لاہور۔54660، پاکستان

فون: 042-35714546، 042-35764484

E-mail: idara@toluislam.com

ناشر و چیئرمین
محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق ۔ ڈاکٹر منظور الحق
خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی
محمد سلیم اختر

قانونی مشیر
ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

زرِتعاون
پاکستان میں 40 روپے فی پرچہ
سالانہ -/450 روپے
بیرون ملک 2500 روپے سالانہ

بینک اکاؤنٹ نمبر
3082-7 نیشنل بینک آف پاکستان، مین مارکیٹ گلبرگ
برانچ کوڈ (0465) ۔ لاہور

ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

Naveed Graphic 5.5x8

ادارہ

لمعات

قوم کے اعصاب کس نے کمزور کر دیئے؟

سورۂ انفال کی پینسٹھویں آیت میں ایک ایسی عظیم الشان حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ جوں جوں نگہِ بصیرت اس پر غور کرتی ہے قوموں کی زندگی اور موت اور ان کے عروج و زوال سے متعلق ایک بنیادی اصول کی عظمت و اہمیت ابھر کر سامنے چلی آتی ہے۔ اس آیت میں جماعتِ مومنین سے یہ کہا گیا ہے کہ اگر تم میں بیس نفوس بھی ایسے نکل آئے جو مستقل مزاج اور ثابت قدم رہے تو وہ فریق مقابل کے دوسو آدمیوں پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سو آدمی اس قسم کے نکل آئے تو وہ ہزار آدمیوں کو مغلوب کر لیں گے۔ یعنی ساز و سامان کی برابری کے ساتھ یہ لوگ اپنے سے دس گنا زیادہ جمعیت پر غالب رہیں گے۔ یہ ایک بہت بڑی سبقت (Advantagious Position) ہے جو کسی قوم کو حاصل ہو جائے۔ ایسی قوم ہر میدان سے فاتح و منصور لوٹے گی اور زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے سے دس گناہ زیادہ قوت پر غلبہ پالے گی۔ دنیا کی وہ کون سی قوم ہے جو یہ معلوم کرنا نہ چاہے گی کہ وہ راز کون سا ہے جس کے زور پر وہ فریق مقابل کی دس گنا زیادہ جمعیت و قوت پر غالب آ جایا کرے۔ قرآن نے اس راز کو پوشیدہ نہیں رکھا اس لئے کہ وہ کتابِ مبین ہے یعنی کُھلا کُھلا ضابطۂ حیات اور تمام نوعِ انسانی کے لئے واضح رہنمائی (هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى 2:185) چنانچہ اس نے جہاں یہ بتایا کہ تم اپنے سے دس گنا جمعیت پر غالب آ سکتے ہو وہیں یہ بھی بتا دیا کہ اس قوت کا راز کیا ہوگا۔ اس نے کہا کہ تمہارے فریقِ مقابل کی دس گنا زیادہ جمعیت تمہارے ہاتھوں اس لئے شکست کھا جائے گی کہ

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (8:65)

اس لئے کہ وہ لوگ فہم و بصیرت سے کام نہیں لیتے۔ محض اندھے جذبات کے جوش میں مخالفت پر اتر آتے ہیں۔ یہ لوگ معاملات پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے عقل و بصیرت اور معاملہ فہمی کی رُو سے فیصلے نہیں کرتے بلکہ اندھا دھند جذبات کی رو میں بہے چلے جاتے ہیں اس لئے ایسے لوگوں کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو یہ ان لوگوں کا کبھی مقابلہ نہیں کر سکتے جو اپنے معاملات کا فیصلہ جذبات کے بجائے عقل و بصیرت کی رو سے کرتے ہوں۔

آپ نے غور فرمایا کہ قرآن کی رو سے کسی قوم کی قوت اور کمزوری کا بنیادی معیار کیا ہے۔ یہ کہ وہ قوم اپنے معاملات کا فیصلہ فہم و

بصیرت سے کرتی ہے یا جذبات کے ہیجان سے۔ اس کے بعد یہ سوچئے کہ مسلمانوں کا شمار اول الذکر گروہ (اربابِ فہم وفراست) میں ہو سکتا ہے یا ثانی الذکر گروہ میں جن کا ہر قدم جذبات کے سیلاب کے زور سے اٹھتا ہے اور جو آندھی کی طرح ابھر کر آنسوؤں کی طرح بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ آج دنیا میں مسلمانوں کی قوم سب سے زیادہ جذباتی واقع ہوئی ہے اور ستم بالائے ستم کہ انہیں اپنی اس شدتِ جذبات پر بڑا فخر و ناز ہے۔ وہ اپنے ان جذبات کو ایمان کی حرارت اور حق کی حمایت کا جوش قرار دے کر انہیں اپنا قومی امتیاز سمجھتے ہیں۔ عوام میں اس خیال کے عام کرنے اور ان کی آتشِ جذبات کو مشتعل رکھنے میں ان کے مفاد پرست رہنماؤں کا خاص ہاتھ ہوتا ہے۔ ان لیڈروں کا (جن میں مذہبی پیشواؤں کا قدم سب سے آگے ہوتا ہے) فائدہ اس میں ہوتا ہے کہ لوگ کبھی عقل وفہم سے کام نہ لیں اور ہمیشہ جذبات کے زور پر بلا سوچے سمجھے وہ کچھ کرتے جائیں جو کچھ وہ ان سے کرانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے قوم کو اس کا عادی بنا چھوڑا ہے کہ وہ ان کی ایک دھواں دھار تقریر، ایک آتشیں بیان، ایک فلک بوس نعرے پر عقل وہوش سے بیگانے ہو جائیں اور اس دیوانگی میں وہ سب کچھ کر گزریں جس پر ان جذبات کے فرو ہونے کے بعد وہ خود ہی نادم وپشیمان ہوں۔ جو لیڈر اپنے پیچھے اس قسم کے لوگوں کو لگا لے اس سے سب ڈرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان سے کمزور حکومت بھی خائف ہو جاتی ہے۔ وہ اس دباؤ میں اپنا الّو سیدھا کرتے رہتے ہیں اور عوام اس حماقت میں تباہ ہوتے رہتے ہیں۔ وہ بلا دریغ جانیں دے دیتے ہیں اور کبھی نہیں سوچتے کہ ان کے خون کی قیمت کون وصول کر رہا ہے۔ (اور اب تو الیکٹرانک میڈیا اور اس کی لائیو ٹرانسمشنز نے سونے پر سہاگے کا کام کر دیا ہوا ہے) آپ (باقی ممالک اسلامیہ کو چھوڑ کر) اگر پاکستان کی گذشتہ پچیس تیس سال کی مختلف تاریخوں پر غور کریں گے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ قوم کی اس روش نے (کہ ایک نعرۂ ہُو سے ان کے جذبات آگ کی طرح بھڑک اٹھتے ہیں) ملک کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے۔ علاوہ اس مالی اور جانی نقصان کے جس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے، ایک بڑا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ قوم کے اعصاب اس قدر کمزور (فالہٰذ اذکی الحس) ہو چکے ہیں کہ اب کوئی شخص کسی ایسی بات کے سننے کی تاب نہیں رکھتا جو اس کے جذبات کے خلاف جاتی ہو، خواہ وہ بات کتنی ہی معقول اور عقل ودانش پر مبنی کیوں نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جب کسی قوم کی حالت ایسی ہو جائے تو اس قوم کے پنپنے کی کون سی شکل باقی رہ سکتی ہے۔

یہ ہے اس وقت ہمارے ملک کی عام حالت جس کے اندر طلوعِ اسلام یہ دعوت دیتا ہے کہ ہر معاملہ پر قرآن کی روشنی میں عقل وفکر سے غور کرو اور اس کا فیصلہ جذبات کی شعلہ فشانیوں کے بجائے فہم وفراست کی معتدل میزان کی رُو سے کرو۔ بعض حضرات اکثر پوچھا کرتے ہیں کہ عوام میں طلوعِ اسلام کی مقبولیت اتنی تیزی سے بڑھ کیوں نہیں رہی۔ اس کا جواب ظاہر ہے۔ جو دعوت عوام کو جذبات کی رُو میں بہہ جانے کے بجائے عقل وفکر سے کام لینے کی تلقین کرتی ہو اسے عوام میں کس طرح مقبولیت حاصل ہو سکتی ہے لیکن طلوعِ اسلام کے سامنے مقبولیت کا سوال ہی نہیں اس کا مسلک یہ ہے کہ قوم کسی نہ کسی طرح قرآن کی روشنی میں خود سوچنا شروع کر دے۔ وہ خود بھی اسی مسلک پر قائم ہے اور دوسروں کو بھی اسی پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔

☆.....☆.....☆

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر
0332-7636560
mhleeladv@yahoo.com

قسط اوّل

پرویز صاحب کا نظریہء حدیث وسُنّت

حدیث صرف وہی صحیح ہے جو قرآن کریم کے خلاف نہ ہو کیونکہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ حضور کریم ﷺ کا کوئی قول یا عمل قرآن کے خلاف ہوسکتا ہے۔ البتہ حدیث وسُنّت' وحی یا وحی کی کوئی قسم نہیں' کیونکہ وحی کے صحیح اور غلط ہونے کو تو زیر بحث لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ احادیث وسُنّت کی صحت ہمیشہ زیر بحث رہی ہے۔

انکارِ حدیث:۔ شاہکارِ رسالت۔ ایڈیشن ۱۹۹۴ء۔ ص۔ ۴۹۷:۔ پرویز صاحب کہتے ہیں کہ:۔ ''میرا انکارِ حدیث اتنا ہی ہے جو میں کہتا ہوں کہ جو حدیث قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے، رسول اللہ ﷺ یا بزرگانِ دین کی طرف اس کی نسبت غلط ہے۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے تھے جو قرآن کے خلاف ہو۔۔۔ جو احادیث قرآن کے خلاف نہیں، میں انہیں صحیح تسلیم کرتا ہوں۔''

منکرِ حدیث وسُنّت:۔ پرویز صاحب کے خلاف یہ جھوٹا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ وہ ''منکرِ حدیث'' ہیں۔ آیئے! دیکھتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے۔؟ حدیث کے لفظی ولغوی معنی ہیں ''باتیں''۔ اور حدیث کی اصطلاح کا مطلب ہے جناب رسول کریم ﷺ کا قول وفعل۔ ظاہر ہے کہ حضور کریم ﷺ سے زیادہ نہ کوئی قرآن کریم کو سمجھ سکتا تھا اور نہ ہی کوئی اُن ﷺ سے زیادہ اہتمام اور سختی سے قرآن پر عمل پیرا ہو سکتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور کریم ﷺ کا ہر قول وفعل قرآن کے عین مطابق اور متابعتِ احکامِ الٰہی میں ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جو قول وفعل قرآن کریم کی تعلیمات سے متصادم ہو، اُسے حضور کریم ﷺ کا قول وفعل سمجھنا کفر اور حضور کریم ﷺ کے اتباعِ قرآن پر شک کرنے کے مترادف ہے۔ لیکن جو مجموعہ ہائے احادیث اس وقت دنیا میں موجود ہیں اُن میں ایسی روایات بکثرت ملتی ہیں جن کے بارے میں بیک نظر کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضور کریم ﷺ کا قول وفعل نہیں ہوسکتیں۔ ایسی روایات کو ''احادیثِ رسول ﷺ'' (یعنی قول و فعلِ رسول ﷺ) ماننے اور منوانے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان میں سینکڑوں روایات اخلاق سے گری ہوئی اور مضحکہ خیز ہیں۔

اُن روایات کو حضور کریم ﷺ سے منسوب کر کے، اُنہیں ''احادیث'' کا نام دینا کفر ہے۔ تقریباً ہر اہلِ عقل و بصیرت اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ ایسی روایات مجموعہ ہائے احادیث میں غلط طور پر شامل ہوگئی ہیں۔ اور ایسی روایات کو حضور کریم ﷺ سے غلط طور پر منسوب کرنے سے انکار کر دینا فریضہء مسلمانی ہے۔ لیکن جب یہی بات پرویز صاحب کہتے ہیں تو اُنہیں ''منکرِ حدیث'' کا لقب دے دیا جاتا ہے۔ جب ''ایسی روایات''، ''احادیث'' ہی نہیں تو، ان سے انکار کرنے والے کو ''منکرِ حدیث'' کیوں اور کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اس طرح تو ہر صاحبِ عقل و بصیرت انسان ''منکرِ حدیث'' قرار پائے گا (موءلف)۔

حدیث سے کیا مراد ہے:۔ طلوعِ اسلام جنوری ۱۹۷۷ء۔ ص۔۱۸۔ ''(مودودی صاحب نے اپنے پروپیگنڈے کے لئے ''منکرینِ حدیث'' کی اصطلاح وضع کر رکھی ہے۔ جس کے معنی ہیں حدیث کا انکار کرنے والے۔ حدیث کے ماننے والوں کے لئے انہوں نے کوئی اصطلاح وضع نہیں کی۔ ہم، محض بغرضِ تفہیم، انہیں ''معتقدینِ حدیث'' کہہ کر پکاریں گے)۔ اصطلاحی طور پر حضور نبیء اکرم ﷺ کی طرف منسوب کردہ اقوال اور افعال کو حدیث کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ نیز اگر کوئی واقعہ حضور ﷺ کے سامنے آیا ہو اور اُس پر آپ ﷺ نے سکوت فرمایا ہو تو اسے بھی حدیث کے زمرے میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث کا کوئی مجموعہ نہ خود مرتب کرا کر دیا اور نہ ہی عہدِ خلافتِ راشدہ میں کوئی ایسا مجموعہ مرتب ہوا۔ تیسری صدی ہجری میں بعض حضرات نے انفرادی طور پر اُن احادیث کو جمع کرنا شروع کیا جو اُس زمانے میں مختلف لوگ بیان کرتے تھے۔ ان بیان کرنے والوں کو ''راوی'' کہا جاتا ہے۔ اور ان کی بیان کردہ باتوں کو روایات۔ ان حضرات جامعینِ احادیث (یا روایات) نے یہ التزام بھی کیا کہ اپنے راوی سے لے کر عہدِ صحابہؓ اور عہدِ رسالت ﷺ تک کے راویوں کے نام بھی ساتھ درج کر دیئے۔ انہوں نے لاکھوں روایات جمع کیں اور ان میں سے اپنی صوابدید کے مطابق کچھ احادیث کو رکھ لیا اور بقایا کو مسترد کر دیا۔ مثلاً امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث میں سے (مکررات کو نکال کر) صرف (۲۷۶۲) روایات کو اپنے مجموعہ میں درج کیا۔ اس طرح جو مجموعے مرتب ہوئے، سُنی حضرات ان میں سے چھ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ انہیں ''صحاح ستہ'' کہا جاتا ہے۔ یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ اور نسائی۔ (شیعہ حضرات کے اپنے مجموعے ہیں) ان میں سے بخاری اور مسلم کو صحیحین کہا جاتا ہے۔ ان مجموعوں کے مرتب ہونے کے بعد، ائمہء جرح و تعدیل نے ان کے راویوں کو پرکھا اور یہ متعین کیا کہ ان میں سے کون سے ثقہ ہیں اور کون سے ضعیف۔ راویوں کی اس تفریق و تقسیم کے مطابق روایات کے بھی مختلف مدارج مقرر کئے گئے۔ یہ جو مختلف فرقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، وہ روایات کے انہی مختلف مدارج کی رو سے ہے۔ ''معتقدینِ حدیث'' کے نزدیک یہ مجموعے مکمل ہیں۔ اور ان پر جرح و تعدیل کا عمل بھی پایہء تکمیل تک پہنچ چکا ہے۔ ان مجموعوں میں درج شدہ روایات کو احادیثِ رسول اللہ ﷺ تسلیم کرنا ''احادیث کو ماننا'' کہلاتا ہے۔ ان میں اہلِ حدیث اور اہلِ فقہ (دیوبندی، بریلوی حضرات) سب شامل ہیں۔''

الزامِ استخفافِ حدیث: ۔طلوعِ اسلام اگست ۱۹۷۳ء۔ص۔۳۸:۔نمائندہ ھفت روزہ ''چٹان'' کے انٹرویو (کہ آپ یعنی پرویز صاحب پر استخفافِ حدیث کا الزام ہے) کا تحریری جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔''آپ نے میرے خلاف اس الزام کی یاد تازہ کرا کر۔۔۔اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے!۔۔۔جو شخص اُس بستی تک کا نام بصد عقیدت واحترام لیتا ہو، جس کی خاک کے ذروں کو عالمِ انسانیت کی بلند ترین ہستی ﷺ کی پابوسی کا شرف حاصل ہے، اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اس ذاتِ اقدس واعظم ﷺ کے ارشاداتِ گرامی کا استخفاف کرتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس سے سنگین تر الزام کوئی اور ہو نہیں سکتا۔اس کی نوعیت میں صحیح اور غلط کے تناسب کا کیا سوال؟۔یہ یکسر کذب وافتراء ہے، جسے ایک منظّم پروپیگنڈے کی رو سے، مسلسل پھیلایا گیا ہے۔اس پروپیگنڈے کی شدت اور وسعت سمجھ میں نہیں آسکتی، جب تک میں کوئی مثال پیش نہ کروں۔میں عام طور پر شخصیتوں میں نہیں الجھا کرتا لیکن چونکہ مثال میں شخصیت کا ذکر ناگزیر ہے، اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔

محترم شورش کاشمیری کی تالیف۔۔فیضانِ اقبال۔۔کسی تعارف کی محتاج نہیں۔اس کا مقدمہ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔وہ اپنے اس مقدمہ میں، بلاموقع اور محل، مجھے گھسیٹ لائے ہیں۔اور فرماتے ہیں:۔''لاہور میں یہ بھی طلوع ہوا ہے کہ ایک شخص جو شخصیتِ رسول کی اہمیت گھٹانے پر مامور ہے اور دین کو کج رو امیر مسلمانوں کے سہل اور غیر ذمہ دار طرزِ زندگی کے مطابق ڈھالنے کے لئے ایک فرقے کی بنیاد رکھ چکا ہے، بدقسمتی سے اپنی مجلس کی رونق اشعارِ اقبال ہی سے بڑھا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص رسول ﷺ ہی کو نہیں مانتا اور اپنے آپ کو قرآن کا عمرؓ اور ابوبکرؓ سے بہتر مفسر سمجھتا ہے، وہ اقبال کو کیا مانے گا۔مگر رونق بڑھانے کے لئے اشعارِ اقبال کو یہ بھی گاتا ہے۔'' (ص۔۲۳۔۲۲)۔۔آپ غور کیجئے کہ ان چند سطور میں کتنے الزامات ہیں جو میرے خلاف عائد کئے گئے ہیں۔اور ان میں سے ہر الزام کس قدر جگر پاش اور جانسوز ہے پھر یہ بھی سوچئے کہ جب، عوام کیا، خواص مسلمانوں تک کے سامنے کسی شخص کا یہ نقشہ کھینچا جائے تو اُن کا خون کسقدر نہیں کھولے گا؟۔میں نے حسبِ معمول اس زہر افشانی کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اگر میرا دامن راستے کی ان خاردار جھاڑیوں میں الجھ جائے تو میں اپنی منزل کی طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکوں گا۔''

اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ ڈاکٹر صاحب سے ان الزامات کے ثبوت مانگے گئے تھے مگر ڈاکٹر صاحب نے اعتراف کیا تھا کہ ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں۔تھوڑا سا آگے چل کر لکھتے ہیں۔''آپ سوچئے کہ جب ڈاکٹر سید عبداللہ جیسا ذمہ دار شخص میرے خلاف بلا ثبوت اس قسم کے سنگین الزامات عائد کرنے میں کوئی باک نہیں سمجھتا تو مذہبی مکاتب کے شوریدہ سر طلباء یا افسانہ گو واعظ کس حد تک نہیں جاسکتے؟۔اگر ڈاکٹر صاحب نے میری صرف ایک کتاب (ہی دیکھ لی ہوتی)، جو حضور نبی ءاکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر مشتمل ہے اور جس کا نام۔۔معراجِ انسانیت۔۔ہے، اور جو اس امر پر دال ہے کہ میرے نزدیک مقامِ محمدی ﷺ کی رفعت وعظمت کیا ہے۔تو انہیں کم از کم اس کا احساس ہو جاتا کہ وہ کس کے خلاف، کیا الزام عائد کر رہے ہیں۔۔میں نے یہ سیرت اصولاً قرآن کریم سے مرتب کی ہے اور اس کی تائید میں وہ احادیث پیش کی ہیں جو ہمارے روایات کے مجموعوں میں موجود ہیں۔۔اس کا پہلا ایڈیشن جو بڑی تقطیع کے

قریب نوسو صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا تھا۔ اور ملک میں کافی مقبول اور مشہور ہوا تھا۔۔ میں یہ تفصیل اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ توقع کی جاسکتی تھی کہ اس قسم کی کتاب کا کم از کم نام تو سید صاحب نے سنا ہوگا۔ اگر وہ پوری کتاب نہیں، اس کا ''مطلعِ انوار'' ہی ملاحظہ فرما لیتے تو انہیں اس کے آخر میں یہ سطور دکھائی دیتیں۔۔ ''خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا، آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جانے تھے وہ ان کی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے، اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے کسی اور مشعلِ راہ کی ضرورت اور کسی اور ہادیٔ طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقامِ بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اُس ذاتِ اقدس و اعظم ﷺ کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر دیدہ ور پکار اٹھتا ہے کہ:۔

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر بحق دل بند و راہِ مصطفٰے رو

یہ تھا وہ حاصلِ بہارِ چمنِ کائنات کہ جس کا ظہور، صبحِ بہارِ کائنات تھا''۔۔۔ یہ تھی مثال اس پروپیگنڈہ کی جو میرے خلاف گزشتہ پچیس سال سے جاری ہے۔'' اس کے بعد انہوں نے احادیث کی پوزیشن پر روشنی ڈالی ہے اور مولانا مودودی کا نظریہ حدیث پیش کیا ہے (جو اس تالیف میں آگے پیش کیا جا رہا ہے) کہ ان (یعنی پرویز صاحب) کا مسلک بھی وہی ہے جو مولانا مودودی کا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ مولانا کے نزدیک احادیث کے صحیح اور غلط کا معیار ''مزاج شناسِ رسول'' جبکہ ان (پرویز صاحب) کے نزدیک قرآن کریم ہے۔ پھر لکھا ہے کہ:۔ ''کوئی روایت جو قرآن کریم کے خلاف ہو یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس و اعظم پر طعن پڑتا ہو، یا اس سے صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار ہوتی ہو، وہ روایت صحیح نہیں ہوسکتی۔ یہ ہے وہ معیار، جس پر میں احادیث کو پرکھتا ہوں اور جو اس معیار پر پوری نہیں اترتیں، ان کے متعلق کہتا ہوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہو نہیں سکتیں۔ حضور کی طرف ان کی نسبت غلط ہے۔ ان وضعی روایات میں ایسی بھی ہیں، جنہیں دیکھ کر انسان کی نگاہیں زمین میں گڑ جاتی ہیں۔ جب میں مثال کے طور پر اس قسم کی وضعی روایات سامنے لاتا ہوں تو عوام کو یہ کہہ کر مشتعل کر دیا جاتا ہے کہ دیکھئے یہ شخص (معاذ اللہ) احادیث رسول اللہ ﷺ کا استخفاف کرتا ہے۔ (گنجائش مانع ہے ورنہ میں اس قسم کی روایات کی چند مثالیں بھی پیش کرتا)''۔

میرا ایمان:۔ طلوعِ اسلام جنوری ۱۹۸۵ء۔ ص۔۱۱:۔ پرویز صاحب کہتے ہیں:۔ ''میں سب سے پہلے اپنے اس ایمان کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ:۔ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشاد یا حضور ﷺ کے کسی عمل کی صداقت سے انکار کرتا ہے، میرے نزدیک وہ مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کے ارشادات و اعمالِ حیات سے تو وہ ماڈل ترتیب پاتا ہے جسے خدا نے ''اسوہء حسنہ'' قرار دیا ہے۔ اس اسوہء حسنہ سے انکار، نہ صرف انکارِ رسالت ہے، بلکہ ارشادِ خداوندی سے انکار ہے۔ اس انکار کے بعد، کوئی شخص مسلمان کیسے رہ سکتا ہے؟۔ اسی بناء پر اللہ تعالےٰ نے اس اسوہ کو خود قرآن میں محفوظ کر دیا ہے۔''

حدیث کے متعلق میرا مسلک:۔ طلوعِ اسلام جون ۱۹۸۵ء۔ ص۔۵۸۔ ''نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ، شرفِ انسانیت کی معراج

کبریٰ کی مظہر تھی۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری کتبِ روایات وتاریخ میں ایسی باتیں شامل ہوگئی ہیں جن سے حضور ﷺ کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا جو حصہ قرآن کے اندر محفوظ ہے، اس کے قطعی اور یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصہ جو قرآن سے باہر ہے، سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضور ﷺ پر کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے تو وہ بات ہمارے نزدیک وضعی ہے اور حضور ﷺ کی طرف غلط منسوب۔ ضرورت ہے کہ سیرتِ نبوی ﷺ کے صحنِ چمن سے ان کانٹوں کو الگ کر دیا جائے۔ جو روایات نہ قرآن کے خلاف ہیں اور نہ ہی ان سے حضور ﷺ کی سیرتِ مقدسہ پر کسی قسم کا حرف آتا ہے، انہیں ہم صحیح مانتے ہیں۔'' (بحوالہ طلوعِ اسلام جون ۱۹۴۲ء)۔

معیارِ حدیث:۔ پرویز صاحب کا دیگر حضرات سے اصل اختلاف ''اقرار یا انکارِ حدیث'' پر نہیں۔ بلکہ ''معیارِ حدیث'' پر ہے۔ موجودہ کُتبِ روایات میں صحیح اور غیر صحیح ہر قسم کی روایات جمع ہوگئی ہیں۔ پرویز صاحب روایات کے صحیح یا غیر صحیح (یعنی احادیثِ رسول ﷺ) ہونے کے لئے پرکھ کا معیار صرف اور صرف قرآن کریم کو قرار دیتے ہیں جو کہ ایک یقینی، حتمی، محفوظ ترین، قابلِ اعتماد اور بے لاگ معیار ہے۔ جبکہ دیگر حضرات نے روایات کو نہایت پیچیدہ، دقّت طلب، مشکل، ظنّی اور ناقابلِ اعتماد ذرائع سے جانچنے کے طریقوں پر اندھا ایمان رکھا ہوا ہے۔ اسی لئے ان لوگوں نے پرویز صاحب کے اس نظریہء حدیث کو کہ احادیث کے پرکھنے کا سب سے زیادہ غیر جانبدار اور قابلِ اعتماد معیار صرف قرآن کریم ہے، ''فتنہء انکارِ حدیث وسُنّت'' کا نام دے رکھا ہے۔ اسے ''فتنہ'' اور پرویز صاحب کو ''منکرِ حدیث وسُنّت'' کہہ کر انہوں نے اتنا اُچھالا ہے کہ ''منکرِ حدیث'' کا لفظ سنتے ہی چشمِ تصور میں پرویز صاحب سامنے آجاتے ہیں (موءلف)۔ وہ اپنی ایک منفرد تصنیف ''ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت'' میں اپنے بارے میں وضاحت کرتے ہیں۔ ''مجھے جو منکرِ حدیث قرار دیا جاتا ہے، تو وہ اس لئے نہیں کہ میں صحیح احادیث کا منکر ہوں۔ میری کتاب ''معراجِ انسانیت'' میں دیکھئے، میں نے کتنی حدیثیں درج کی ہیں۔ میں درحقیقت منکر ہوں ان حضرات کے وضع کردہ ''معیارِ حدیث'' کا۔ چونکہ قرآن کریم کو صحیح اور غلط کا معیار قرار دینے سے ان حضرات کے اکثر معتقدات، نظریات اور مسالک، خلافِ قرآن (فلہٰذا غلط) قرار پاتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے عوام کا رخ دوسری طرف موڑنے کے لئے یہ حربہ اختیار کر رکھا ہے کہ مجھے منکرِ حدیث اور منکرِ شانِ رسالت ﷺ مشہور کر دیا جائے''۔ دراصل یہ مذہبی پیشوائیت اور مفاد پرست طبقات کی طرف سے پروپیگنڈے کا زور ہے۔ اور حقیقت کے بالکل برعکس۔ مفاد پرست طبقات، مذہبی پیشوائیت کے ذریعے اپنے مطلب کی روایات کو ''احادیث'' کا مقدّس درجہ دلا کر صدیوں سے اپنا مفاد حاصل کرتے چلے آرہے ہیں۔ اگر روایات کی جانچ پرکھ کا معیار صرف اور صرف قرآن کریم کو قرار دے دیا جائے تو ایسا ہونا ناممکن ہو جائے گا۔ دیگر حضرات کتبِ روایات میں درج تمام روایات کو ''احادیث'' تسلیم کرتے ہیں۔ خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہوں۔ زیادہ سے زیادہ وہ کچھ روایات کے لئے ''کمزور یا ضعیف حدیث'' وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کر دیتے ہیں۔ لیکن انہیں کہتے ''احادیثِ رسول ﷺ'' ہی ہیں۔ پرویز صاحب کتبِ روایات میں درج ہر روایت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کتب میں صحیح کے ساتھ ساتھ، بدقسمتی سے، غلط

روایات بھی درج ہوگئی ہیں۔ غلط کو صحیح سے الگ کرنے کی کسوٹی صرف اور صرف قرآن کریم ہے۔ جو روایات قرآن کریم سے متصادم نہ ہوں، اُنہیں ''احادیثِ رسول ﷺ'' مانا جائے، باقی کو غلط روایات کہہ کر مسترد کر دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں اپنی شہرہء آفاق کتاب ''شاہکارِ رسالت'' میں اپنے مسلک کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''روایات اور تاریخ کے باب میں میرا جو مسلک ہے، اسے میں (اس کتاب کے) مقدمہ میں وضاحت سے بیان کر چکا ہوں۔ مختصراً وہ مسلک یہ ہے:۔

پرویز صاحب کا مسلک:۔ ا:۔ ''دین میں سند اور حجت خدا کی کتاب، قرآن مجید ہے، جو اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ ہماری کتبِ روایات و تفسیر میں جو باتیں، قرآنی تعلیم کے مطابق ہیں، اُنہیں صحیح سمجھنا چاہیئے۔ اور جو اس کے خلاف ہیں، اُنہیں مسترد کر دینا چاہیئے۔

۲:۔ ''حضور نبی ءاکرم ﷺ کی رسالت پر ہمارا ایمان ہے اور جملہ صحابہء کبارؓ کے مومنینِ حقّا ہونے پر قرآن کی شہادت۔ اس لئے کتبِ روایات اور تاریخ میں جو باتیں ایسی ہیں جن سے حضور ﷺ کی سیرتِ مقدّسہ داغدار ہوتی ہو یا صحابہء کبارؓ کے خلاف کسی قسم کا طعن پڑتا ہو، انہیں صحیح تسلیم نہ کیا جائے۔

باقی بزرگوں کے بارے میں:۔ ''باقی رہے دورِ صحابہؓ کے بعد کے وہ بزرگ جنہیں واجب الاحترام سمجھا جاتا ہے (خواہ ان کا تعلق کسی فرقے سے بتایا جائے) جو باتیں ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، اگر ان میں کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کریم کے خلاف جاتی ہے، تو میں یہ کہا کرتا ہوں کہ ان کی طرف اس بات کی نسبت غلط ہے۔ اگر وہ دین کے بزرگ تھے تو وہ ایسی بات کہہ یا کر نہیں سکتے تھے۔ لیکن اگر کوئی شخص، اس کے باوجود، اس پر اصرار کرتا ہے کہ اس کی نسبت ان کی طرف بالکل صحیح ہے تو پھر خدا کا یہ ارشاد میرے لئے کافی ہو جاتا ہے کہ ''تلک اُمۃ قد خلت'' (یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اپنے وقت میں دنیا سے گزر گئے)۔ ''لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم'' (جو کچھ اُنہوں نے کیا، اس کے ذمے دار وہ ہیں، جو کچھ تم کرو گے، اس کے ذمے دار تم ہو گے)۔ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (2:141) (ہم تم سے پوچھیں گے بھی نہیں کہ اُنہوں نے کیا کیا تھا)۔''

انکارِ حدیث کی حقیقت:۔ لیکن دیگر حضرات، غلط روایات (جن سے حضور کریم یا ان ﷺ کے صحابہء کبارؓ کی توہین کا پہلو نکلے اور ان حضراتِ عظامؓ کی سیرت داغدار ہوتی ہو یا جو روایات قرآنی تعلیمات سے متصادم ہوں) کو بھی ''احادیث'' ہی ماننے پر اصرار کرتے ہیں۔ اور ان غلط روایات کو نہ ماننے والوں کو ''منکرینِ حدیث'' اور ''خاج از اسلام'' کہتے ہیں۔ اور یہ ہے بھی حقیقت کہ اگر ان غلط روایات کو ''حدیث'' مانا جائے تو ایسی ''احادیث'' کا منکر، ''منکرِ حدیث'' ہی تو کہلائے گا۔ اس طرح تو پرویز صاحب واقعی ''منکرِ حدیث'' ہی ٹھہرتے ہیں۔ وہ کہا کرتے ہیں۔ ''میں منکرِ حدیث ہوں اور میں یہ کہتے ہوئے جھینپتا نہیں، مجھے کوئی شرم اور باک نہیں کہ میں منکرِ حدیث ہوں۔ مگر کوئی پوچھے تو سہی کہ کون سی احادیث کا منکر۔؟ میں قرآن سے متصادم تمام روایات کا منکر ہوں۔ میں ان تمام روایات کا منکر ہوں جن سے حضور پاک ﷺ یا اُن ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی سیرت داغدار ہوتی ہو۔ خواہ انہیں احادیث کہا جائے،

روایات کہا جائے یا کچھ بھی۔ کیونکہ ان ہستیوں کا قول وعملِ مبارک قرآن سے متصادم ہو نہیں سکتا۔ قرآن گواہ ہے۔ اگر کوئی حضور پاک ﷺ سے منسوب کر کے ایسی غلط روایات کو احادیث کہتا پھرے اور مانتا پھرے تو مانے، میں نہیں مان سکتا۔''

انکارِ حدیث کے معنی!:۔ طلوعِ اسلام اگست ۱۹۸۱ء صفحہ نمبر ۵۵:۔ ''انکارِ حدیث کے معنی کیا ہیں؟۔ یعنی جو شخص کسی حدیث کے صحیح ہونے سے انکار کرتا ہے، وہ کس بات سے انکار کرتا ہے؟۔ امام بخاریؒ نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے ان تین ہزار حدیثوں کو منتخب کر کے اپنے مجموعہ میں شامل کیا جو ان کی رائے میں قابلِ قبول تھیں۔ اب اگر ایک شخص کہتا ہے کہ، میرے نزدیک فلاں حدیث صحیح نہیں، تو وہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشادِ گرامی کے صحیح ہونے سے انکار نہیں کرتا۔ وہ کہتا صرف یہ ہے کہ میرے نزدیک، امام بخاریؒ کی یہ رائے (یا خیال، یا فیصلہ) کہ یہ حدیث قابلِ قبول ہے، صحیح نہیں ہے۔ مجھے ان کی رائے سے اختلاف ہے۔ میں اسے قولِ رسول ﷺ قرار دینے کے لئے تیار نہیں کیونکہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔ لہٰذا، انکارِ حدیث، رسول اللہ ﷺ کے قول سے انکار نہیں، امام بخاریؒ کی رائے سے اختلاف ہے۔ آپ سینے پر ہاتھ رکھ کر دیانتداری سے کہئے کہ اس میں کون سی بات ایسی ہے جس سے کفر لازم آجائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کہیں بھی امام بخاریؒ کی اصابتِ رائے پر ایمان لانے کا مکلّف قرار نہیں دیا۔ (نیز ارباب جرح وتعدیل اور اسماء الرجال کی آراء اور فیصلوں کے صحیح ہونے پر ایمان کا مکلّف بھی نہیں ٹھہرایا)۔ یعنی اس نے کہیں یہ نہیں کہا کہ اگر تم یہ مانو گے کہ امام بخاریؒ کی آراء بالکل صحیح اور صائب ہیں، تو تم مسلمان کہلاؤ گے۔ اگر کہو گے کہ مجھے ان کی رائے سے اختلاف ہے تو تم دائرہ اسلام سے خارج ہو جاؤ گے۔ ایسا کہنا خالص شخصیت پرستی ہے اور کلیۃً جذبات پر مبنی ہے۔ کسی انسان کی اصابتِ رائے پر ایمان لانا، نہ قرآن کا تقاضا ہے، نہ عقل وفکر کا مطالبہ۔''

ایک دوسرے کی نظر میں منکرینِ حدیث:۔ چونکہ تمام فرقے اپنے اپنے مجموعہ ہائے احادیث کو صحیح اور دیگر فرقوں کے مجموعہ ہائے احادیث میں موجود احادیث کا انکار کرتے ہیں (مثلاً:۔ اہلِ سنت اور اہلِ حدیث حضرات شیعہ حضرات کی، جبکہ شیعہ حضرات باقی حضرات کی اکثر احادیث کو نہیں مانتے۔ دیوبندی حضرات بریلویوں کی بہت سی احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ حنفی فقہ کے ماننے والے اہلِ حدیث حضرات کی بہت سی احادیث سے اختلاف کرتے ہیں، اگر وہ اختلاف نہ رکھیں تو وہ بھی اہلِ حدیث کہلائیں، وغیرہ وغیرہ) لہٰذا، اس طرح مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے حضرات ایک دوسرے کی نظر میں منکرینِ حدیث قرار پاتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ تمام فرقے صحتِ حدیث کے لئے اپنے الگ الگ معیارات قائم کر کے اُن پر ڈٹے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ (صحتِ حدیث سمیت، زندگی کے تمام معاملات میں) صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنے کے لئے قرآن کریم کو واحد متفقہ معیار تسلیم کریں اور ہر قسم کے باہمی اختلافات مٹا کر (کیونکہ قرآن کریم اختلافات مٹانے کے لئے نازل ہوا ہے: ۱۶/۶۴۔ ۴۲/۱۰۔ ۵/۴۴) اُمتِ واحدہ بن جائیں۔ (موءلف)۔

مودودیؒ صاحب کا مسلک:۔ ''احادیث کو وحی قرار دینے والوں میں ایک گروہ (اہلِ حدیث کا) وہ ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ (کم از کم) بخاری اور مسلم کی تمام حدیثیں صحیح ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی انسان کو دائرہء اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔اس وقت ہم ان کے اس عقیدہ سے بحث نہیں کرنا چاہتے۔کہنا صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کے ہاں اس کی گنجائش نہیں کہ جس حدیث کو چاہے صحیح قرار دے دیں اور جسے چاہے غلط یا وضعی قرار دے کر مسترد کر دیں۔۔اصل یہ ہے کہ،صرف اہلِ حدیث ہی نہیں، باقی فرقوں کے ہاں بھی یہ عقیدہ ہے کہ احادیث کے مختلف مجموعوں میں جس قدر احادیث ہیں ان کی چھان پھٹک پہلے سے ہو چکی ہے اور ان میں اب مزید تنقید و تفحص کی گنجائش نہیں۔ان مجموعوں میں جن احادیث کو صحیح قرار دیا جا چکا ہے، وہ صحیح ہیں، جنہیں ضعیف قرار دیا گیا ہے، وہ ضعیف ہیں۔۔لیکن مودودی صاحب کا مسلک ان سب سے الگ ہے۔وہ احادیث کی اس تقسیم و تفریق کو، جو پہلے سے چلی آ رہی ہے قابلِ قبول تسلیم نہیں کرتے۔وہ کہتے ہیں:۔''اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو اس کی نسبت کا صحیح و معتبر ہونا بجائے خود زیرِ بحث ہوتا ہے۔آپ (یعنی معتقدینِ حدیث) کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیثِ رسول ﷺ مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں۔لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں۔ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے۔'' (رسائل و مسائل۔حصہ اوّل۔ ایڈیشن ستمبر ۱۹۵۱ء۔صفحہ نمبر ۲۹۰۔بحوالہ طلوعِ اسلام فروری ۱۹۷۸ء۔صفحہ نمبر ۲۸۔۲۷)۔مودودی مرحوم دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔''قولِ رسول اور وہ روایات جو حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں، لازماً ایک ہی چیز نہیں ہیں۔اور نہ ان روایات کو استناد کے لحاظ سے آیاتِ قرآنی کا ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔آیاتِ قرآنی کے منزّل من اللہ ہونے میں تو کسی شک کی گنجائش نہیں۔بخلاف اس کے، روایات میں اس شک کی گنجائش موجود ہے کہ جس قول یا فعل کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، وہ واقعی حضور ﷺ کا ہے یا نہیں۔'' (ایضاً۔صفحہ نمبر ۲۷۰۔بحوالہ طلوعِ اسلام اگست ۱۹۸۱۔صفحہ نمبر ۵۴)۔ ترجمان القرآن۔اکتوبر۔نومبر ۱۹۵۲ء میں مولانا مودودیؒ کی یہ تحریر موجود ہے کہ:۔یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں کہ بخاری میں جتنی احادیث درج ہیں ان کے مضامین کو بھی جوں کا توں بلاتنقید قبول کر لینا چاہیئے۔(بحوالہ طلوعِ اسلام مئی۔۱۹۷۸ء صفحہ نمبر ۳)۔

طلوعِ اسلام جنوری ۱۹۷۷ء۔ص۔۲۰:۔''قرآن کے کلام اور محمد ﷺ کے اپنے کلام میں زبان اور اسلوب کا اتنا نمایاں فرق ہے کہ کسی ایک انسان کے دو اس قدر مختلف اسٹائل کبھی نہیں ہو سکتے۔یہ فرق صرف اُسی زمانے میں واضح نہیں تھا جبکہ نبی ﷺ اپنے ملک کے لوگوں میں رہتے سہتے تھے بلکہ آج بھی حدیث کی کتابوں میں آپ ﷺ کے سینکڑوں اقوال اور خطبے موجود ہیں۔ان کی زبان اور اسلوب، قرآن کی زبان اور اسلوب سے اس قدر مختلف ہیں کہ زبان و ادب کا کوئی رمز آشنا نقاد یہ کہنے کی جراءت نہیں کر سکتا کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے کلام ہو سکتے ہیں۔'' (ترجمان القرآن بابت ستمبر ۱۹۵۲ء)۔اس سے واضح ہے کہ مودودی صاحب احادیث رسول اللہ ﷺ کو قرآن کی طرح وحی ءمنزل من اللہ نہیں مانتے وہ انہیں رسول اللہ ﷺ کا اپنا کلام قرار دیتے ہیں۔کلام بھی کس قسم کا، اس کے

متعلق وہ لکھتے ہیں۔ ''(دجال کے متعلق) جو مختلف باتیں حضور ﷺ سے احادیث میں منقول ہیں، وہ دراصل آپ ﷺ کے قیاسات ہیں۔ جن کے بارے میں آپ ﷺ خود شک میں تھے۔۔۔ یہ تردد، اول تو خود ظاہر کرتا ہے کہ یہ باتیں آپ ﷺ نے علمِ وحی کی بناء پر نہیں فرمائی تھیں بلکہ اپنے گمان کی بناء پر فرمائی تھیں۔ اور آپ ﷺ کا گمان وہ چیز نہیں ہے جس کے صحیح نہ ثابت ہونے سے آپ ﷺ کی نبوت پر کوئی حرف آتا ہو یا جس پر ایمان لانے کے لئے ہم مکلّف کئے گئے ہوں۔ پھر جبکہ بعد کے واقعات سے ان باتوں کی تردید بھی ہو چکی ہے جو اس سلسلے میں آپ ﷺ نے گمان کی بناء پر فرمائی تھیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ان کو عقائد میں داخل رکھنے پر اصرار کیا جائے۔'' (رسائل ومسائل۔ حصہ اول۔ ستمبر ۱۹۵۱ء ایڈیشن۔ ص۔ ۵۶۔۵۵)۔ ''احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی ہوئی آئی ہیں، جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمانِ صحت ہے، نہ کہ علمِ یقین۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس خطرہ میں ڈالنا ہرگز پسند نہیں کر سکتا کہ جو امور اس کے دین میں اتنے اہم ہوں کہ ان سے کفر و ایمان کا فرق واقع ہوتا ہو، انہیں صرف چند آدمیوں کی روایت پر منحصر کر دیا جائے۔ ایسے امور کی تو نوعیت ہی اس امر کی متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صاف صاف اپنی کتاب میں بیان فرمائے۔ اللہ کا رسول ﷺ انہیں اپنے پیغمبرانہ مشن کا اصل کام سمجھتے ہوئے ان کی تبلیغ عام کرے اور وہ بالکل غیر مشتبہ طریقہ سے ہر ہر مسلمان تک پہنچا دیئے گئے ہوں۔'' (ایضاً)۔ ''بادی النظر میں یہ بات بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ایسی فعلی اور قولی احادیث کو تواتر کا درجہ حاصل ہونا چاہئے، جن کے دیکھنے اور سننے والے بکثرت ہوں۔ ان میں اختلاف نہ پایا جانا چاہیئے۔ لیکن ہر شخص بادنیٰ تامل یہ سمجھ سکتا ہے کہ جس واقعہ کو بکثرت لوگوں نے دیکھا ہو یا جس تقریر کو بکثرت لوگوں نے سنا ہو اس کو نقل کرنے یا اس کے مطابق عمل کرنے میں سب لوگ اس قدر متفق نہیں ہو سکتے کہ ان کے درمیان یکسر موفرق نہ پایا جائے۔۔۔ مثال کے طور پر آج میں ایک تقریر کرتا ہوں اور کئی ہزار آدمی اس کو سنتے ہیں۔ جلسہ ختم ہونے کے چند گھنٹے بعد ہی (مہینوں اور برسوں بعد نہیں بلکہ چند ہی گھنٹے بعد) لوگوں سے پوچھ لیجئے کہ مقرر نے کیا کہا۔ آپ دیکھیں گے کہ تقریر کا مضمون نقل کرنے میں سب کا بیان یکساں نہ ہوگا۔ کوئی کسی ٹکڑے کو بیان کرے گا، کوئی کسی ٹکڑے کو۔ کوئی کسی جملے کو لفظ بلفظ نقل کرے گا، کوئی اس مفہوم کو، جو اس کی سمجھ میں آیا ہے، اپنے الفاظ میں بیان کر دے گا۔ کوئی زیادہ فہیم آدمی ہوگا اور تقریر کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اس کا صحیح ملخص بیان کرے گا۔ کسی کی سمجھ زیادہ اچھی نہ ہوگی اور وہ مطلب کو اپنے الفاظ میں اچھی طرح نہ ادا کر سکے گا۔ کسی کا حافظہ اچھا ہوگا اور اور وہ تقریر کے اکثر حصے لفظ بلفظ نقل کر دے گا۔ کسی کی یاد اچھی نہ ہوگی اور وہ نقل و روایت میں غلطیاں کرے گا۔'' (تفہیمات۔ حصہ اول۔ ص۔ ۳۰۔۳۲۹۔ ایڈیشن کا سال نہیں دیا گیا۔ لیکن دیباچہ میں ۳۰۔ محرم ۱۳۵۹ھ لکھا ملتا ہے)۔

متبعینِ ائمہء جرح و تعدیل:۔ مودودی صاحب ائمہء جرح و تعدیل کے متبعین کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ''محدثین کے اتباع میں جائز حد سے بہت زیادہ تشدد اختیار کرتے ہیں۔ ان کا قول یہ ہے کہ محدثین کرام نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے

رکھ دیا۔ایک ایک حدیث کو چھان کر وہ بتا چکے ہیں کہ کون کس حد تک قابلِ اعتبار ہے اور کون کس حد تک نا قابلِ اعتبار۔اب ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ان بزرگوں نے احادیث کے جو درجے مقرر کر دیئے ہیں، انہی کے مطابق ہم ان کو اعتبار اور حجیت کا مرتبہ دیں۔۔۔محدثینؒ کی خدمات مسلّم۔یہ بھی مسلّم کہ نقدِ حدیث کے لئے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے وہ صدرِ اول کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کارآمد ہے۔کلام اس میں نہیں، بلکہ صرف اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتبار کرنا کہاں تک درست ہے۔وہ بہرحال تھے تو انسان ہی۔۔۔انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے، اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس کو وہ صحیح قرار دیتے ہیں، وہ حقیقت میں بھی صحیح ہے۔صحت کا کامل یقین تو خود ان کو بھی نہ تھا۔'' (تفہیمات۔حصہ اول۔ص۔۳۱۸)۔پھر کہتے ہیں۔''نفس ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ اشخاص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں ان کے جذبات کا بھی کسی حد تک دخل ہو جائے۔یہ امکان محض امکانِ عقلی نہیں ہے بلکہ اس امر کا ثبوت موجود ہے کہ بارہا یہ امکان فعل میں آ گیا ہے۔'' (ایضاً۔ص۔۳۱۹)۔یعنی محدثین کی غلطیاں بھی محض سہو و خطا کی بناء پر نہیں تھیں بلکہ ان کے ''نفس'' کی وجہ سے تھیں''۔

اصلی معیار۔قرآن:۔طلوعِ اسلام جنوری ۱۹۷۷ء۔ص۔۱۵۔''صحیح اور غلط کا اصلی معیار قرآن ہی ہونا چاہیئے۔جو چیز قرآن کے الفاظ یا اسپرٹ کے خلاف ہوگی، اسے ہم یقیناً رد کر دیں گے۔اور اس کا مخالفِ قرآن ہونا ہی اس امر کا بین ثبوت ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز ثابت نہیں ہے۔'' (مولانا مودودی۔تفہیمات۔حصہ اول۔ص۔۳۲۹)۔

مودودی مرحوم کا ذاتی معیارِ حدیث:۔مودودی مرحوم نے احادیث کی صحت کو پرکھنے کے لئے قرآن کریم یا اسماء الرجال کے معیارات سے الگ، ایک اور منفرد معیار بھی قائم کیا ہے، جو سراسر ذاتی اور داخلی (Subjective)، نہ کہ خارجی اور غیر جانبدارانہ (Objective) معیار ہے۔وہ معیار ''مزاج شناسِ رسول'' کی نگاہِ بصیرت ہے نہ کہ قرآن کریم (اُن کا یہ معیار اوپر پیش کی گئی اُن کی تحریروں سے متصادم ہے)۔وہ کہتے ہیں:۔''کثرتِ مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہ ﷺ کا مزاج شناس ہو جاتا ہے اور اسلام کی صحیح روح اس کے دل و دماغ میں بس جاتی ہے۔پھر وہ ایک حدیث کو دیکھ کر اول نظر میں سمجھ لیتا ہے کہ آیا رسول ﷺ ایسا فرما سکتے تھے یا نہیں؟، یا آپ ﷺ کا عمل ایسا ہو سکتا تھا یا نہیں؟۔'' (تفہیمات۔حصہ اول۔ایڈیشن۔اکتوبر ۱۹۸۹ء۔ص ۳۳۸)۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)

پہلی قسط

متحرک نفسیات

Dynamic Psychology

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم پر تکرار اور اصرار سے غور وفکر کا حکم دیا ہے تاکہ قرآن فہمی میں آسانی پیدا ہو جائے۔ نیز قرآن فہمی کے لئے قرآن پاک میں کچھ طریق (Methods) بھی بتائے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کا اسلوب کچھ ایسا ہے کہ ''اس میں ایک آیت ایک مقام پر آتی ہے تو اس کی وضاحت دوسرے مقام پر۔ اضافہ کسی اور جگہ، استثناء کسی اور سورہ میں، یعنی مختلف حقائق کے متنوع گوشوں کو، مختلف موضوعات کے ضمن میں لوٹا، لوٹا کر سامنے لایا جاتا ہے۔ اس انداز کو اس نے ''تصریف آیات'' سے تعبیر کیا ہے یعنی آیات کو پھیر پھیر کر سامنے لانا 6:105۔ اس طریق سے اس نے اپنی اصطلاحات کا مفہوم بھی متعین اور واضح کیا ہے''۔ قرآنِ کریم کی تعلیمات کی تفہیم کے لئے ایک اہم شرط تدبر فی القرآن ہے یعنی اسے غور وفکر، عقل وبصیرت اور علم وشعور سے سمجھنا 4:82، 47:24۔ یہ تدبر کسی خاص زمانے یا کسی خاص فرد تک محدود نہیں بلکہ ہر زمانے اور ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ کسی ایک زمانے یا کسی ایک فرد کا غور وتدبر کسی دوسرے زمانے یا انسان کے لئے سند نہیں ہوسکتا۔ بے شک علم نوعِ انسانی کی وراثت ہے اور دوسروں کے غور وفکر سے استفادہ تو کیا جاسکتا ہے۔ مگر وہ سند ہوسکتا ہے نہ حرفِ آخر۔ لہٰذا علم بالوحی اور انسانی علم میں کاملیت اور ارتقائیت کا جو فرق ہے اسے ذہن سے محو نہیں کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تعلیمات کی صداقت اور حقانیت کے ثبوت کے لئے فرمایا ہے۔ ''جوں جوں خارجی کائنات اور خود انسان کی داخلی یعنی نفسیاتی زندگی (انفس وآفاق) میں پوشیدہ حقائق بے نقاب ہوتے جائیں گے، توں توں یہ بات انسانوں پر اُبھر کر واضح ہوتی جائے گی کہ قرآنِ پاک کے تمام دعاوی فی الحقیقت حق اور صداقت پر مبنی ہیں'' 41:53۔ ''یعنی جوں جوں کاکلِ زمانہ کے پیچ وخم میں لپٹے ہوئے حقائق مشاطگیٔ علم وتحقیق سے کھلتے جائیں گے، قرآن کے دعاوی کی صداقت کے ثبوت ایک ایک کر کے سامنے آتے جائیں گے''۔ اس طرح جو حقیقت بھی بے نقاب ہوگی وہ قرآن پاک کے کسی نہ کسی دعویٰ کی صداقت کا ثبوت پیش کرے گی۔ ''ان چودہ سو سالوں میں خارجی کائنات کے متعلق جو حقائق بے نقاب ہوئے ہیں اور خود انسان کی تمدنی زندگی میں جو انقلابات رونما ہوئے ہیں وہ قرآنی صداقت کے شاہد ہیں۔ ایسا ہی اس وقت تک ہوا ہے اور ایسا ہی آگے ہوگا''۔ اس آیت 41:43 میں اللہ تعالیٰ نے خارجی کائنات کی طرح انسانی نفسیاتی زندگی کی اہمیت اُجاگر کی ہے۔ انسانی دنیا میں خارجی کائنات کے نظم وضبط پر سائنس کی

تحقیقات تو نزولِ قرآن سے پہلے بھی جاری تھیں لیکن عالمِ انفس یعنی انسانی نفسیات کے اسرار و رموز ابھی تک انسانی نگاہوں سے تقریباً اوجھل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو غیر نشوونما یافتہ نفس عطا کیا ہے اور انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ اسے نشوونما دیتے ہوئے اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ مزید ارتقائی مراحل طے کر سکے۔ اس مقصد کے لئے مومنین اللہ سے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق مانگتے ہیں 1:5۔ یعنی ان لوگوں کے راستے پر جنہیں تو نے اپنی رحمتوں سے نوازا ہے 1:6۔ لہٰذا نعمت بڑی اہم چیز ہے۔ یعنی ایسی چیز جس میں، دین پر عمل پیرا ہونے کے تمام نتائج اور ثمرات آ جاتے ہیں۔

نعمت خداوندی ہی وہ محسوس معیار ہے جس سے پرکھا جا سکتا ہے کہ ہمیں نعمائے خداوندی حاصل ہیں یا نہیں۔ اگر نعمتیں حاصل ہیں تو ہمارا ایمان اور ہمارے اعمال قرآنی میزان پر پورے اتریں گے۔ اور اگر یہ حاصل نہیں تو مولانا ابوالکلام مرحوم کے الفاظ میں ''خدا پرستی اور نیک عمل'' کہہ کر اپنے دل کو جھوٹا اطمینان دلاتے رہیں گے۔ مگر یہ خود فریبی سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا۔ یہ ہے نعمائے خداوندی کی اہمیت۔ اس اہم چیز کے حصول و محرومیت کا انحصار زیادہ تر انسانی نفسیات پر ہے۔ مثبت نفسیاتی تبدیلی سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں اور منفی تبدیلی سے چھن جاتی ہیں۔ قرآنِ کریم نے اس باب میں ایک محکم اصول یہ بتایا ہے کہ ''یہ اس لئے کہ جو نعمتیں کسی قوم کو حاصل ہیں خدا ان میں کبھی تغیر نہیں کرتا جب تک وہ قوم خود اپنے اندر ذہنی و نفسیاتی تبدیلی پیدا نہیں کرتی۔ یاد رکھو اللہ کے فیصلے یونہی اندھا دھند نہیں ہوتے وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے'' 13:11، 8:53۔ اس اصول کے تحت زندگی کی خوش گواریاں جس قوم کو حاصل ہوں وہ ان سے اس وقت تک محروم نہیں ہوتی جب تک وہ ان کی صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی ایک غیر متبدل قانون ہے کہ جب کسی قوم کی منفی نفسیاتی تبدیلی کے زیر اثر ہونے والے اعمالِ بد کے نتیجے میں تباہی کی آخری ساعت آ جاتی ہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا 10:49۔

منفی نفسیاتی تبدیلی سے قومیں نعمائے خداوندی اور زندگی کی خوشگواریوں سے کیسے محروم ہوتی ہیں، قرآنِ مجید نے اس کی ایک بہترین مثال (قرآن پاک کی ہر مثال بہترین ہی ہوتی ہے) یمن کی قومِ سبا کی صورت میں دی ہے۔ قوموں کا عروج و زوال قسمت و اتفاق کا رہینِ منت نہیں ہوتا بلکہ قانونِ قدرت کے مقررہ اصول کے مطابق پیش آتا ہے۔ قومِ سبا کا عروج و زوال بھی اسی اصول کے زیر اثر عالمِ وجود میں آیا تھا۔ سبا قحطانی قبائل کی مشہور شاخ ہے۔ مؤرخین کے مطابق اس قوم کا عروج 1100 ق م سے 550 ق م تک ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے زمانے کی مشہور ملکہ سبا (بلقیس) اسی دور سے تعلق رکھتی ہے۔ بعد میں زوال کا دور شروع ہوا جو 525ء میں اپنے اختتام تک پہنچا۔ قرآن میں متذکرہ سیل عرم اور قوم سبا کا انتشار نیز سورہ ق میں جن اصحاب تبع کا ذکر آیا ہے ان سب کا تعلق اسی دور سے ہے۔ سبا کے دورِ عروج میں سونے اور جواہرات کی کانیں تھیں۔ حضرموت اور یمن کا علاقہ خوشبودار اشیاء کے لئے مشہور تھا۔ عمان اور بحرین کے موتی دنیا میں لاثانی سمجھے جاتے تھے۔ یمن کے ساحل پورے علاقہ کی پیداوار کے لئے منڈی تھے۔ شام، مصر، جزیرہ نما عرب، افریقہ، ہندوستان اور یورپ کے درمیان تجارت کے واحد اجارہ دار اہلِ سبا ہی تھے۔ تورات میں بھی اہلِ سبا کی دولت اور

ثروّت اوران کے تمدن کی عظمت کے بہ کثرت تذکرے ملتے ہیں۔قرآن پاک کی آیات 19-15:34 کے مطابق انہیں اللہ کی دی ہوئی تمام نعمتیں حاصل تھیں اور وہ ان سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ''یہ قوم ایک وادی میں آباد تھی جس کے دونوں طرف زمین اس قدر سرسبز وشاداب تھی گویا دو باغ ہیں۔ان کے شہروں کی آب وہوا نہایت خوشگوار تھی۔ہم نے ان سے کہا تھا کہ فطرت سے ملنے والے رزقِ فراواں سے خوب کھاؤ پیو اور شکر گزاری اور قدر شناسی سے کام لو اس طرح تباہیوں سے محفوظ و مامون رہو گے۔ان نعمتوں کو قوانین خداوندی کے مطابق صرف کرو'' 34:15۔

قوانین فطرت کے تحت انہیں معتدل ہوا' سرد و خنک پانی' عمدہ پھلوں اور پھولوں کی خودرو پیداوار اور خوشبودار چیزوں کے درختوں کی طبعی نشو ونما۔غرض یہ کہ اس زمانے میں معیشت کے سب سامان انہیں میسر تھے۔علاوہ ازیں اہل سبا نے خالق کائنات کی عطا کردہ عقل وخرد اور فہم وذکا سے کام لے کر اپنے ملک میں آب رسانی کا بہترین اور ترقی یافتہ نظام قائم کر رکھا تھا۔اس قوم نے بارش کے پانی اور پہاڑی چشموں کے تمام پانی کو کام میں لانے اور باغات وزراعت کو سرسبز بنانے کے لئے یمن کے اقطاع وامصار میں ایک سو سے زائد بند (Dames) باندھ رکھے تھے۔ان کی وجہ سے تمام ملک سرسبز وشاداب بلکہ بہارستان بنا ہوا تھا۔دارالحکومت مارب میں سب سے بڑا بند ''سدِ مارب'' بھی انہی بندوں میں سے تھا۔یہ بند قوم سبا کی انجینئری اور علمِ ہندسہ میں کمال کا ثبوت تھا۔اس عظیم الشان بند کی وجہ سے تقریباً تین سو مربع میل تک دائیں اور بائیں چھواروں کے نخلستان' میووں اور پھلوں کے حسین اور جمیل باغ' خوشبوؤں کے کھیت اور مرغزار' دارچینی' عود اور مختلف قسم کے خوشبودار درختوں کے گنجان باغات اس کثرت سے ہو گئے تھے کہ تمام علاقہ چمنستان اور فردوس بنا ہوا تھا۔علاوہ ازیں یہ بند تجارتی کاروبار میں اضافے اور ترقی کا بھی باعث تھا۔

لفظ سبا کے مفہوم میں تجارت کے معنی داخل ہیں اس لئے کہ یہ ایک تاجر پیشہ قوم تھی۔انہوں نے یمن سے شام تک جانے والی مشہور شاہراہ پر ہر قسم کی سہولت کا انتظام کر رکھا تھا۔دونوں جانب دارچینی کے خوشبودار درختوں کا سایہ تھا۔قریب قریب فاصلہ پر کارواں سرائے بنائی گئی تھیں۔جو شام تک ان کو اس آرام کے ساتھ پہنچاتی تھیں کہ ٹھنڈا اور شفاف پانی' میووں اور پھلوں کی بہتات اور فرحت بخش ہوا یہ بھی محسوس نہیں ہونے دیتی تھی کہ وہ اپنے گھروں میں ہیں یا دُشوار گذار سفر میں۔تمام راستے میں بڑے بڑے متمول شہر آباد تھے جہاں تجارتی منڈیاں تھیں اور راستہ اتنا پر امن اور آباد تھا کہ اس میں قافلے' دن رات نہایت حفاظت سے آتے جاتے رہتے تھے 34:18۔ان کے کارواں' سراؤں میں ٹھہرتے۔اہل سبا یہاں میوے اور تازہ پھل کھاتے۔سرد و شیریں پانی پیتے ہوئے حجاز وشام تک آمد ورفت رکھتے تو ہمسایہ قومیں رشک وحسد سے ان پر نگاہیں اٹھاتیں اور حیرت وتعجب کے ساتھ ان کے عیش وعشرت پر انگشت بدنداں رہ جاتیں۔بالکل ایسے ہی جیسے موجودہ دور میں ایشیاء اور افریقہ کی غریب اقوام کے لوگ امریکہ اور یورپی لوگوں کی مادی عیش وعشرت دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔

اہل سبا ایک لمبے عرصے تک اس جنتِ ارضی کی نعمتوں سے لطف اٹھاتے رہے لیکن تمول' خوش عیشی اور ہر قسم کے تنعم سے آہستہ

آہستہ ان میں بھی وہی منفی نفسیاتی تبدیلی آتی گئی جو ان نعمتوں سے محرومی کا باعث بنتی ہے۔ متکبر اور مغرور رویوں کے باعث انہوں نے انبیاءؑ کے پیش کردہ دین حق کو چھوڑ کر کفر و شرک کی زندگی اختیار کر لی۔ محمد بن اسحاق بروایت ابن منبہ کہتے ہیں کہ اس دوران میں ان کے پاس اللہ کی طرف سے تیرہ نبی حقِ رسالت ادا کرنے آئے مگر انہوں نے مطلق توجہ نہ کی کیونکہ یہ اپنی مثبت نفسیاتی حالت کو تبدیل کر چکے تھے۔ معاشرتی اور اخلاقی برائیوں کے علاوہ انہوں نے مادی ذرائع سے بھی غفلت برتنی شروع کر دی۔ چنانچہ مناسب دیکھ بھال اور مرمت نہ ہونے کی وجہ سے بند ٹوٹ گیا۔ اور اچانک اس کا پانی زبردست سیلاب کی صورت میں پھیل گیا اور مارب میں ہر شے کو بہا کر لے گیا۔ پانی اترنے کے بعد باغوں کی جنت کی جگہ جھاؤ کے درختوں اور جنگلی بدذائقہ بیروں کے جھنڈ نے لے لی۔ 34:16-17۔ مارب کے بند کے ٹوٹ جانے کے بعد ان بستیوں کے باشندوں نے منتشر ہو کر دوسرے علاقوں میں ہجرت کر لی۔ مگر ان کی تباہی کی تکمیل ابھی باقی تھی۔ جہاں انہوں نے بدلے ہوئے نفسیاتی روّیے کے تحت غرور، سرکشی اور کفر و شرک کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ٹھکرایا تھا وہاں انہوں نے آرام دہ سفر پر بھی ناک بھوؤں چڑھا کر کہنا شروع کر دیا کہ میاں! یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ انسان سفر کے ارادے سے نکلے تو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ حالتِ سفر میں ہے یا گھر میں۔ بھئی واہ! وہ بھی کیا خوش قسمت انسان ہیں جو ہمتِ مردانہ کے ساتھ سفر کی ہمہ قسم کی تکالیف اٹھاتے ہیں، کاش ہمارا سفر بھی ایسا ہو جائے۔ چنانچہ اللہ کے محکم اصول کے تحت اُن کی غفلت اور کفرانِ نعمت کی وجہ سے یمن شام شاہراہ تباہ اور اس کے آس پاس کی آبادیاں ویران ہو گئیں۔ وہ گاؤں، وہ سرائیں اور وہ تجارتی منڈیاں نیست و نابود ہو گئیں۔ ملک کا امن امان فتنوں کی نذر ہو گیا۔ سیلاب نے انہیں طبیعی نقصان پہنچایا اور ان کے غلط اور استحصالی معاشی و معاشرتی اقدامات نے تمدنی نقصان پہنچایا 34:18-19۔

اہل سبا کی داستان میں عبرت و بصیرت کی کئی نشانیاں ہیں جن میں دو باتیں بڑی اہم اور ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ قوموں کو زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ملک کے طبیعی اور فطری نظم و نسق کی طرف سے غافل نہ ہوں۔ اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے معاشرے کو قوانینِ خداوندی کے تحت رکھیں تا کہ اس میں ناہمواریاں پیدا نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں میں سے ایک نعمت جماعتِ مومنین کے دلوں میں محبت، اُلفت، اتحاد اور یکجہتی پیدا کرنا ہے۔ اور اس نعمت کا حصول بھی انسان کی نفسیاتی تبدیلی سے ہی ممکن ہے۔ نفسیاتی لحاظ سے مختلف فرقوں، گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم شدہ قوم کبھی بھی منزلِ مراد کو نہیں پا سکتی۔ قرآنِ پاک میں اس نعمتِ خداوندی کا جگہ جگہ ذِکر آیا ہے۔ مثلاً جماعت مومنین کو تاکید کی گئی ہے کہ ''تم خدا کی طرف سے عطا کردہ اس محکم سہارے کو سب مل کر، اجتماعی طور پر، ایک جماعت بن کر تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ پیدا مت کرو''۔ اس تاکید کے بعد اس نعمت کا ذِکر یوں کیا گیا ہے۔ ''تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو جن سے اس نے تمہیں سرفراز فرمایا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے (تمہیں محض ظاہراً طور پر متحد نہیں کیا بلکہ) تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ پیوست کر دیا اور اس طرح تمہیں آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ اس کی بڑی نعمت ہے۔ تم تباہی اور بربادی کے جہنم کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ اس نے تمہیں اس

میں گرنے سے بچالیا۔اس طرح خدا اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم صحیح راستہ پر چلو‘ 3:103۔ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ ’’اس نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کردی اور اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں اُلفت پیدا نہیں کر سکتے تھے۔مگر خدا نے ان کے دلوں میں اُلفت پیدا کردی بے شک وہ زبردست قوت والا ہے لیکن اس کی قوت ظلم وجبر پر نہیں بلکہ حکمت پر مبنی ہے‘‘ 8:63۔قرآن پاک انسان میں وقتی نہیں بلکہ بنیادی تبدیلی پیدا کرتا ہے۔یعنی اس کی تعلیمات سے انسان میں نفسیاتی تبدیلی آتی ہے جو مستقل اور دیرپا ہوتی ہے۔یہ نفسیاتی تبدیلی‘ ایجابی ہو یا سلبی‘ انسان خود شعوری طور پر اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔

نعمائے خداوندی بے شمار ہیں انسان کے لئے ان کا شمار کرنا ممکن نہیں 14:32-34۔علامہ پرویزؒ نے نعمت کا مفہوم اور معنی کی تفاصیل دینے کے بعد لکھا ہے ’’ان معانی سے واضح ہے کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کا خوشگوار‘ کشادہ‘ ملائم‘ آسودہ‘ بلند اور سرفراز رہنا‘ نعمت کا مظہر ہے‘‘۔جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ ان بے شمار نعمتوں کا حصول نفسیاتی تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں۔مثلاً کسی قوم کا مستبد حکمرانوں کے پنجۂ استبداد سے رستگاری وآزادی حاصل کرلینا خدا کی نعمت ہے 2:48۔اور یہ نعمت قوم کی مجموعی نفسیات میں تبدیلی لاکر ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔اسی طرح ہم عصر اقوام پر علمی‘ معاشی‘ معاشرتی‘ اخلاقی اور دفاعی لحاظ سے افضلیت حاصل کرنا‘ 2:47 زندگی کی تمام ضروریات کا میسر ہونا‘ 16:80 ارض وسمٰوٰت میں جو کچھ ہے اس کا مسخر کرنا 31:20 نیز وحی جیسی نعمت سے بہرہ ور ہوکر اپنی زندگی کو کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار کرنا وغیرہ وغیرہ سب نعمائے خداوندی میں شامل ہیں اور ان سب نعمتوں کا حصول نفسیاتی تغیر کے بغیر ممکن نہیں۔یعنی تغیرِ نعمت کا انحصار نفسیاتی تغیر پر ہے 13:11۔علامہ پرویز اس آیت کا مفہوم بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ’’اس سے ظاہر ہے کہ نعمتوں کے ملنے اور ان کے چھن جانے کی بنیادی شرط اس قوم کی نفسیاتی تبدیلی ہے۔اگر یہ تبدیلی‘ خدا کی راہنمائی کے مطابق صحیح سمت کی طرف ہوئی ہے تو اسے ایمان کہتے ہیں۔یعنی یہ ایمان کا نتیجہ ہوگی۔اور اگر یہ غلط سمت کی طرف ہے تو اسے کفر سے تعبیر کیا جائے گا‘‘۔اس کا مطلب ہے کہ یہ نعمائے خداوندی محض دعاؤں سے نہیں مل سکتیں بلکہ یہ ایمان واعمالِ صالحہ‘ جو مثبت نفسیاتی سوچ کا نتیجہ ہوتے ہیں‘ کا فطری نتیجہ ہوتی ہیں۔منفی نفسیاتی تغیر یعنی کفرانِ نعمت سے امن‘ اطمینان اور رزق کی فراوانی جیسی نعمتوں کی جگہ بھوک اور خوف کا عذاب مسلط ہوجاتا ہے 16:112۔اور یہ عذاب کہیں باہر سے نہیں آتا بلکہ منفی سوچ کے تحت ہونے والی کرتوتوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔اسی لئے پوچھا جائے گا کہ تم نے خدا کی نعمتوں کو کس طرح استعمال کیا تھا 102:8۔

یہ تھی قرآن کریم کے مطابق نعمائے خداوندی اور انسانی نفسیات کے باہمی تعلق کی ایک مختصر سی جھلک۔اس کے علاوہ بھی قرآن پاک میں انسانی نفسیات کی طرف اشارات کئے گئے ہیں۔مثلاً حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو حکمِ خداوندی کے تحت کہا کہ ایک گائے ذبح کرو۔سیدھی سی بات تھی لیکن انہوں نے اِس صاف اور سیدھے حکم کی تعمیل کرنے کی بجائے الٹی کٹ حجتیاں شروع کردیں۔ان حجت بازیوں۔حیلہ سازیوں اور موشگافیوں کی ایک خاص وجہ تھی جس کو وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔دراصل مصر میں قبطیوں کی دیکھا دیکھی انہوں نے بھی گائے یا بیل کو معبود بنالیا تھا۔گوسالہ پرستی کے جذبۂ عقیدت کے سبب گائے کی محبت ان کے لاشعور کی گہرائیوں

تک اُتر چکی تھی 2:93، 2:51، 2:54۔ اللہ تعالیٰ ان کے اپنے ہاتھوں سے گائے کو ذبح کرنے کا حکم دے کر دراصل ان کی اس نفسیاتی بیماری کا ازالہ کرنا چاہتے تھے۔ اسی طرح ان کے ہاں ایک قتل ہوگیا۔ مجرم کی تلاش کے لئے تفتیش شروع ہوگئی مجرم کی شناخت نہ ہوسکی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو کہا کہ مقتول کے ایک حصے کو اس کے دوسرے حصے سے مَس (Touch) کرو 2:72-73۔ دراصل اس میں تفتیش کا ایک نفسیاتی طریقہ بتایا گیا ہے۔ مَیّت خصوصاً کسی مقتول کی میّت کی دہشت اور ہیبت ہر کسی پر طاری رہتی ہے اور قاتل کے سر پر تو ہر وقت سوار رہتی ہے۔ آج کل تو سنگین خفیہ جرائم کی تفتیش کے سلسلے میں خاص نفسیاتی طرائق عمل میں لائے جارہے ہیں۔ ایسے آلات بھی ایجاد ہو چکے ہیں جو تفتیش کے دوران ملزمان کا بلڈ پریشر، نبض کی رفتار، چہرے کی علامات و آثار وغیرہ کو ریکارڈ کرتے ہیں۔ اب تو جرائم کی نفسیات (Psychology of Crime) کے الگ ادارے بھی بن چکے ہیں۔ جرائم کی نفسیات کا ایک مقصد یہ جاننا ہوتا ہے کہ افراد جرم کیوں کرتے ہیں؟ اس کے پیچھے کون کون سے محرکات کارفرما ہوتے ہیں؟ اور دوسرا مقصد مجرم کی شناخت کرنا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ماہرینِ علمِ النفس نے بہت سے طریقے واضح کئے ہیں۔ متذکرہ بالا واقعہ میں بھی یہی نفسیاتی طریقہ استعمال کیا گیا اور مجرم کے چہرے کی رنگت، خوف، اضطراری، بے معنی اور دیگر حرکات سے اس کی شناخت ہوگئی۔ واضح رہے کہ ذبحِ گائے کے واقعہ سے اس حادثے کا کوئی تعلق نہیں بنتا۔ یہ الگ واقعہ ہے۔

قرآن کریم کی تعلیمات اور مبشرات، مومنین کے دلوں کی مضبوطی کا سبب بھی بنتی ہیں جس کی وجہ سے نفسیاتی طور پر وہ حق و صداقت کی راہ میں آنے والی ہر مشکل، ہر رکاوٹ، ہر تکلیف اور ہر سازش کا صبر و حکمت، جرأت، حوصلے اور ثبات و استقامت سے ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ ایمان ان کے دلوں (نفسیاتی) کی گہرائیوں میں اتر چکا ہوتا ہے۔ وحی خداوندی ہر گوشے میں ان کے لئے وجہِ تقویت بنتی ہے۔ ''تمہارے رب کی طرف سے یہ قرآن، بطور حقیقتِ ثابتہ اترا ہے تاکہ اس سے ایمان والوں کے دِلوں کو مضبوط رکھا جائے اور ان کی صحیح منزل کی طرف راہنمائی کرے اور انہیں مستقبل کی خوشگواریوں کی خوشخبری دے'' 16:102۔ حق و باطل کی کشمکش میں جنگ کے دوران سختیوں اور جان لیوا مشقتوں اور نامساعد حالات کا ثابت قدمی سے مقابلہ کرنے کے لئے کائناتی قوتیں بھی مومنین کے دلوں کو مضبوط اور ان کے پاؤں میں استقامت کا باعث بن جاتی ہیں 8:11۔ لڑائی کے دوران ''ملائکہ'' کی بشارت بھی جماعت مومنین کے دِلوں میں نفسیاتی طور پر اطمینان اور سکون کا سبب بنتی ہیں 8:10۔ اسی طرح گذشتہ انبیاءؑ کا تذکرہ بھی۔ ''اے رسولؐ! ہم تمہیں (اقوام سابقہ) اور انبیاء گذشتہ کی داستانیں اس لئے سناتے رہتے ہیں کہ اس سے تمہارا دل مضبوط اور مطمئن ہوجائے 11:120۔ ''اللہ تعالیٰ نے جماعت مومنین کے دِلوں میں اطمینان اور سکون پیدا کر دیا، تاکہ اُن کے ایمان میں مزید تقویت آجائے۔ یہ سب کچھ ان کائناتی قوتوں کے ذریعے ہوتا ہے جو اس کے پروگرام کی تکمیل میں سرگرمِ عمل رہتی ہیں 48:4، 48:18۔ یہ کائناتی قوتوں کے لشکر غیر محسوس اور غیر مرئی طریقے سے اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں 9:26۔ ''اللہ کے بھیجے ہوئے یہ کائناتی قوتوں کے لشکر تمہیں نظر نہیں آتے تھے'' 33:9۔ انسان کی سرکش و بے باک خواہشات و جذبات، اس کے غلط ارادوں نیز اس کی حرص و لالچ زدہ

آرزوؤں اور تمناؤں کو قوانینِ خداوندی کے تحت لانا ایک عظیم انقلاب ہے۔ انقلاب یونہی اتفاقیہ طور پر راتوں رات یا یک لخت رونما نہیں ہوتا۔ یہ پورا عمل انسانی نفسیات کے اثرات کے تحت پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہے جس کے لئے ایک طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔

نفسِ انسانی کی صلاحیتوں کو قرآنِ کریم نے اس کی تین کیفیات سے تعبیر کیا ہے۔ (1) ''یہ حقیقت ہے کہ انسان کا نفس اسے برائی کے لئے اکساتا رہتا ہے'' 12:53۔ یہاں نفسِ انسانی کی وساوس انگیزیوں کا ذکر کیا گیا ہے اسے نفسِ امارہ کہا گیا ہے۔ اس کی دوسری حالت کو لومۃ 75:3 کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اس میں انسان کے اندر خیر و شر کی کشمکش بیدار ہو جاتی ہے۔ نفسِ امارہ کے زیر اثر پہلے وہ غلط کام کر بیٹھتا ہے اور نفسِ لوامہ کے تحت اس کا احساس ہونے پر وہ اپنے کئے پر نادم ہوتا ہے۔ احساسِ ندامت بھی انسان کی منفرد خصوصیت ہے۔ حیوانات میں احساسِ ندامت نہیں ہوتا مجبور محض ہونے کی حیثیت سے وہ کوئی غلط کام کر ہی نہیں سکتے۔ اخلاقیات کا تعلق بھی صرف انسانی زندگی کے معاملات میں سے ہے۔ (3) نفسِ اِنسانی کی اس کشمکش میں جب اس کی خیر کی قوت' شر کی قوت پر غالب آجاتی ہے تو یہ کشمکش ختم ہو جاتی ہے۔ اسے قرآن مجید نے نفسِ مطمئنہ 89:27 کہہ کر پکارا ہے۔ دورِ حاضر کی اصطلاح میں اسے (Balanced Personality) کہا جاتا ہے۔ انسانی نفسیات کی ان تین کیفیات پر غور کرنے سے یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آجاتی ہے کہ قرآنِ کریم نے انسانی جذبات کو مذموم اور قابلِ نفرت قرار دیا ہے اور نہ ان کے فنا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایسا کرنا ممکن ہی نہیں۔ انسانی جذبات کو فنا کیا ہی نہیں جا سکتا۔ انہیں زیادہ سے زیادہ دبایا جا سکتا ہے۔ اور ان کے دبانے سے انسان نفسیاتی عوارض کا شکار ہو جاتا ہے۔ جن کے نتائج فرد اور معاشرے کے لئے بڑے تباہ کن ہوتے ہیں۔ اگر انہیں دبا دیا جائے تو یہ اپنی نمود اور تسکین کے لئے غیر فطری راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اسے نفسیاتی اصطلاح میں بدنہادی یا کجروی (Perversion) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں ان نفسیاتی بیماریوں کو ''دِلوں کی بیماریوں'' کے نام سے پکارا گیا ہے 2:10' 8:49' 3:7' 74:31' 47:29' 83:14' 24:50۔ ان کے دلوں کی گہرائیوں میں براجمان وسوسے اور شکوک و شبہات انہیں کشمکشِ پیہم اور اضطرابِ مسلسل میں مبتلا رکھتے ہیں 16:5,16۔ ان اخلاقی بیماریوں کی وجہ سے نہ صرف انسانی ذات میں انتشار (Disintegration) اور درماندگی پیدا ہو جاتی ہے بلکہ پورا معاشرہ دیمک زدہ ہو جاتا ہے۔ ان نفسیاتی یا اخلاقی عوارض میں' ضد' تعصب' حیلہ جوئی' فریب کاری' کینہ' بغض' بخل' حرص و لالچ' عداوت' خفیہ سازشیں' نخوت و تکبر' دغابازی' غیبت' جھوٹ' کدورت' دھوکابازی' تہمت بازی' بہتان اور الزام تراشی جیسے پست درجہ غیر متوازن اور گھناؤنے امراض شامل ہیں۔ انسان اور قوموں کی زندگی پر ان نفسیاتی بیماریوں کے بڑے گہرے اثرات پڑتے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے انسان احکام الٰہی سے سرکشی کرتا ہے۔ اللہ کے احکام کی پیہم خلاف ورزی کے سبب بظاہر تو معاشرے کی چمک دمک میں کوئی نقص نظر نہیں آتا مگر اندر سے معاشرے کا خوبصورت خول کھوکھلا ہو چکا ہوتا ہے اور بلاشبہ ایک دن اس کی تباہی و ہلاکت' بخت و اتفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ نوامیسِ الٰہی کے ''قانونِ مکافاتِ عمل'' کے عین مطابق واقع ہو جاتی ہے۔ احساسِ برتری یا کمتری بھی پیچیدگیوں اور ذہنی الجھن (Complex) کا سبب بنتا ہے۔ علاوہ ازیں ڈر' خوف اور توہم پرستی بھی نفسیاتی بیماریاں ہیں جن پر آگے چل کر بات ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے دِل کی بیماریوں کا صرف ذِکر ہی نہیں کیا بلکہ ان کا علاج بھی بتا دیا ہے۔ اور وہ علاج ہے قرآن کی تعلیمات اور احکامات پر نبی پاکؐ کے اسوہءِ حسنہ کے مطابق عمل کرنا۔ ''اے نوعِ انسان! تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے' قرآن ضابطۂ حیات کی شکل میں تمہارے پاس آ گیا ہے۔ اس میں ہر اس کشمکش کا علاج ہے جو تمہارے دل کو وقفِ اضطراب رکھتی ہے۔ جو ہر اس قوم کی' جو اسے اپنا ضابطۂ حیات تسلیم کر لیتی ہے' کامیابیوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے' اور انہیں سامانِ نشوونما سے بہرہ یاب کرتا ہے'' 10:59۔ دل کی انہی بیماریوں سے متاثر ہو کر انسان احکام الٰہی سے بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں قانونِ خداوندی کی رُو سے ان کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں۔ 2:7' 7:10' 9:93' 10:74' 16:108' 7:100۔ ظاہری طور پر ایمان لا کر پھر کفر اختیار کرنے والوں کے لئے فرمایا گیا ہے۔ ''یہ دراصل دل سے ایمان لاتے ہی نہیں اس منافقانہ طرزِ عمل کا نفسیاتی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے دِلوں پر اس طرح مہریں لگ گئی ہیں کہ اب ان میں سمجھنے سوچنے کی گنجائش ہی نہیں رہی'' 63:3۔ یہ مہریں اور تالے کیسے اور کیوں لگتے ہیں؟ قرآن پاک میں اسے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً انہوں نے اپنے عہد کی پابندی نہیں کی۔ احکام خداوندی سے کھلا انکار کیا۔ ان سے سرکشی برتی۔ انبیاءؑ کو قتل کیا۔ اور بڑے فخر سے کہا کہ ہمارے دِلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں 4:155' 2:88۔ ''ہمارے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں'' 2:88 یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ہم نے جس قدر علم حاصل کرنا تھا' کر لیا۔ اس ذہنیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر خدا کی لعنت پڑ جاتی ہے اور وہ علم اور اللہ کی برکات سعادات' اور خوش گواریوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

سائیکالوجی کے تحت نفسیاتی بیماریوں کا احوال آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ جہاں ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ ماہرین نفسیات نے انسان کی ذہنی پریشانیوں' الجھنوں نیز فرد کے کاروبار' ازدواجی زندگی' جنسی معاملات اور اختلالِ ذہنی (Psychotic Condition) وغیرہ کے علاج کے لئے کیا کیا طریقے واضح کئے ہیں۔ آیئے یہاں پر ہم دیکھیں کہ دِلوں پر یہ مہر (خَتَمَة یا طَبَعَ) کیسے لگتی ہے۔ جب انسان غور و تدبر سے کام نہیں لیتا۔ ضد و تعصب کے باعث کسی کی بات سننے پر تیار ہی نہیں ہوتا تو اس میں فکر و تدبر کی صلاحیت ہی معطل یا سلب ہو جاتی ہے۔ ان کا شیوہ ہے کہ ''جب تیری محفل میں آ کر بیٹھتے ہیں تو بظاہر نظر آتا ہے کہ یہ تیری بات سن رہے ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ سوچ کچھ اور رہے ہوتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں جس سے ان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ اور کانوں میں ڈاٹ لگ جاتے ہیں۔ لاکھ دلائل دو یہ تسلیم نہیں کرتے۔ تمہارے پاس صرف جھگڑا کرنے کے لئے آتے ہیں اور یہ کہہ کر اٹھ جاتے ہیں کہ یہ محض اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں'' 6:25۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں پر قانونِ خداوندی کے مطابق مہریں لگ جاتی ہیں اور یہ اپنی خواہشات کے پیچھے اندھا دھند چلے جاتے ہیں'' 47:16۔ ان کے دلوں پر خود ان کے دِلوں کے تالے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ تالے کہیں خارج سے نہیں پڑتے'' 47:29۔ ان کے اپنے اعمال زنگ بن کر ان کے دلوں پر لگ جاتے ہیں 83:14۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

تقویٰ کا دینی مفہوم

تذکرۃ الاولیاء حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ کی ایک مشہور و مستند کتاب ہے جس میں شیخ موصوف نے تقریباً ایک سو مشہور و معروف اولیاء اللہ کے حالاتِ زندگی قلمبند کئے ہیں۔ اور اُن کے حالات زندگی میں ان کے تقویٰ، طہارت، خشیتِ الٰہی اور پرہیزگاری کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے۔ ان سب حضرات کے نظریات وعقائد واعمال اور زندگی کے معمولات تقریباً ایک جیسے ہی تھے۔ ان برگزیدہ حضرات کے حالات میں سے صرف چند واقعات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سفیان ثوری کے مناقب میں تحریر ہے ''آپ پیدائشی متقی تھے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ کی والدہ نے ایام حمل میں ہمسایہ کی کوئی چیز بلا اجازت منہ میں رکھ لی تو آپ نے پیٹ میں تڑپنا شروع کر دیا اور جب تک اُنہوں نے ہمسایہ سے معذرت طلب نہیں کر لی، آپ کا اضطرار ختم نہیں ہوا۔ اور آپ کے تائب ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے الٹا پاؤں مسجد میں رکھ دیا جس کے بعد ندا آئی کہ اے ثوری سجدہ حق میں یہ گستاخی! پس اُسی دن سے آپ کا نام ثوری پڑ گیا۔ بہرحال یہ ندا سن کے خوف کا ایسا غلبہ ہوا کہ غش کھا کر گر پڑے اور ہوش آنے کے بعد اپنے پر طمانچے لگاتے ہوئے کہنے لگے کہ بے ادبی کی ایسی سزا ملی کہ میرا نام دفتر انسانیت سے خارج کر دیا گیا''۔ صفحہ 158

حضرت حسین منصور کے مناقب میں تحریر ہے ''ہر رات آپ چار سو رکعتیں نمازیں ادا کیا کرتے تھے اور اِس فعل کو اپنے اوپر فرض قرار دے لیا تھا اور جب لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ ایسے بلند مراتب کے بعد آپ اذیتیں کیوں برداشت کرتے ہیں آپ نے جواب دیا کہ مصائب پر صبر کیا جائے اور اس کی راہ میں فنا ہو جانے میں راحت وغم کا کوئی احساس نہیں رہتا''۔ صفحہ 353

حضرت احمد حصروی کے مناقب میں تحریر ہے ''رات میں آپ کے ہاں چور آ گیا لیکن جب خالی ہاتھ جانے لگا تو آپ نے فرمایا میرے ساتھ رات بھر عبادت کرو اور اِس کا جو صلہ مجھے ملے گا وہ میں تمہیں عطا کر دوں گا۔ چنانچہ وہ رات بھر آپ کے ہمراہ مشغولِ عبادت رہا اور صبح کو جب کسی دولت مند نے بطور نذرانہ سو دینار بھیجے تو آپ نے اس چور کو دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو صرف ایک شب کی عبادت کا معاوضہ ہے۔ یہ سن کر اس چور نے کہا کہ صد حیف میں نے آج تک اس خدا کو فراموش کئے رکھا جس کی ایک رات عبادت

کرنے کا یہ صلہ ملتا ہے۔ پھر وہ توبہ کر کے آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہو گیا' اور بہت بلند مراتب حاصل کئے''۔ صفحہ 233

حضرت ابوالحسن فرقانی کے حالات میں تحریر ہے'' چالیس سال تک کبھی آپ نے ایک لمحہ کے لئے بھی آرام نہیں کیا اور عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے رہے' چالیس سال کے بعد ایک دن مریدوں سے فرمایا کہ مجھے تکیہ دے دو میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ مریدوں کو اس پر بہت حیرت ہوئی اور پوچھا کہ آپ آج آرام کے خواہاں کیوں ہوئے۔ فرمایا کہ آج میں نے خدا کی بے نیازی اور استغنا کا مشاہدہ کر لیا۔ حتیٰ کہ تیس سال تک اللہ تعالیٰ کے خوف کے سوا میرے قلب میں کوئی خیال پیدا نہیں ہوا''

آپ اتقیاء واولیاء کے حالات ومناقب کی کتب ملاحظہ فرماتے جائیں۔ آپ کو ان حضرات کے اوصاف میں یہی چیزیں ملتی چلی جائیں گی۔ اور تقویٰ' پرہیز گاری کا یہ تصور (Concept) سب کے ہاں مشترک پایا جائے گا۔ جبکہ قرآن کریم کے مطابق تقویٰ کے متعلق یہ چند امور بالکل واضح ہیں کہ

(1) تقویٰ کا کوئی تعلق پرستش سے نہیں ہے۔ کیونکہ دین میں پرستش کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

(2) تقویٰ انفرادی طور پر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ تقویٰ اجتماعی زندگی میں حاصل ہوتا ہے۔

(3) مذہب میں گناہ سے بچنے کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ امام راغب نے اپنی مفردات میں تحریر کیا ہے'' اور اصطلاحِ شریعت میں نفس کو ہر اس چیز سے بچانے کا نام تقویٰ ہے جو گناہ کا موجب ہو''۔ (جلد دوم صفحہ 1135)۔ تفسیر ضیاء الدین میں تحریر ہے'' عرف شرع میں تقویٰ کہتے ہیں ہر گناہ سے اپنے آپ کو بچانا'' جلد 1 ص 30

لیکن یہ بات واضح رہے مسلمانوں میں گناہ کا تصور عیسائیت سے آیا ہے۔ مذہب میں گناہ ہوتا ہے۔ دین میں گناہ نہیں ہوتا بلکہ دین میں خلافِ قرآن کاموں کو جرم کہا جاتا ہے۔ دین میں جرم اور گناہ Sin اور Crime ایک ہی چیز ہوتے ہیں۔

ہمارے ہاں چونکہ دین کا تصور کبھی آیا ہی نہیں' اس لئے مذہب اور پرستش کی بھی کوئی واضح تعریف کبھی نہیں کی گئی۔ طلوع اسلام تحریک ہے جو اقامتِ دین کی داعی ہے۔ نوح علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام دین کے داعی رہے تھے۔ حضورؐ کے بعد سے کوئی شخص بھی دین کا داعی نہیں ہوا۔ تاریخ انسانیت میں تحریکِ طلوع اسلام پہلی تحریک ہے کہ جو قرآن کی راہنمائی میں اقامتِ دین کی دعوت لے کر اٹھی ہے۔ اِس بات سے اِس تحریک اور اس تحریک کے بانی کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور اسی تحریک نے عبادت اور پرستش کے درمیان خطِ امتیاز کھینچا ہے۔ اِس تحریک کے نزدیک اسلامی نظام کی اطاعت ہی عبادتِ خداوندی ہے۔ اور ہر وہ کام جس میں اسلامی نظام کو نظر انداز کر کے براہِ راست اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کیا جائے وہ پرستش کے زمرہ میں آتا ہے۔ جو تاجر حضرات اپنی تجارت سے غریبوں کا خون چوس کر رمضان میں غریبوں کے روزے افطار کراتے ہیں یہ پرستش کی واضح

مثال قائم کرتے ہیں۔غریبوں کی دولت ہتھیا کر' عمرے کرنا یا مزاروں پر جانا' پیروں' فقیروں' مریدوں کے نام پر رسوم پر خرچ کرنا' تہجد گزاری' نوافل' تسبیح وتہلیل برلب پرستش میں شامل ہیں۔اوراس کا تقویٰ سے دور دور کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

تقویٰ قرآن کریم کی ایک اہم ترین اصطلاح ہے اوراس کا مفہوم کسی ایک آیت سے واضح نہیں ہوسکتا۔جن آیات میں تقویٰ یا اس کے مادہ وق ی اور وقایۃ سے مشتق الفاظ آئے ہیں۔ان کو باہم ربط کے ساتھ یک جا کر کے' اس پر غور وتدبر کرنے کے بعد' اس کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔وقایۃ کے لفظی معنی تکلیف دہ چیزوں سے بچنا ہے' قرآن کریم میں ارشاد عالیٰ ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (5:2) اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں باہم کسی کی مدد نہ کرو۔اس جگہ تقویٰ کا روایتی ترجمہ پرہیز گاری کیا گیا ہے۔لیکن قرآن کریم نے تقویٰ کو عدوان کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے۔اور عدوان کے واضح معنے سرکشی کے ہیں فلہٰذا تقویٰ کے معنے قرآنی قوانین کی اطاعت کے ہیں۔پھر اطاعت کے اس مفہوم کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (3:103) 'اے ایمان والو' اللہ سے خوب ڈرو' جو اِس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمام عمر قوانین خداوندی کے آگے جھکے رہو۔اِس آیت کے آخری حصہ ''اور تمام عمر اللہ کے قوانین کی اطاعت کرتے رہو'' نے تقویٰ کے لفظ کی خوب وضاحت کردی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ (26:90) اور بہشت پرہیز گاروں کے سامنے کردی جائے گی اور دوزخ گمراہوں کے سامنے ظاہر کردی جائے گی۔اس آیۂ مجیدہ میں متقین اور غاوین کو ایک دوسرے کی اضداد کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔غاوی وہ شخص ہوتا ہے جو بوجہ اپنی غوایت کے دوسری راہیں تلاش کرتا ہے۔لہٰذا متقی وہ شخص ہے جو قوانینِ اساسی کی کامل اطاعت کرتا ہے۔

متقی کے لغوی معنے کامل اطاعت کرنے والا' معلوم ہونے کے بعد آپ وہ آیات کریمات ملاحظہ فرمائیں' جو تقویٰ کا مفہوم واضح کرتی ہیں۔

(1) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (33:70) اے ایمان والو خدا سے ڈرتے رہو' اور ہمیشہ درست بات کیا کرو تو خدا تمہاری کارگزاریوں کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا' اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ اپنی مراد کو خوب اچھی طرح پہنچ گیا۔اِس آیۂ کریمہ نے درست بات کرنے کو تقویٰ قرار دیا ہے اور آیت کے آخری حصہ نے واضح کردیا کہ اللہ ورسول کی اطاعت ہی تقویٰ ہے۔

(2) ارشاد عالی ہے اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (9:119)' ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ یہاں صادقین کی معیت کو تقویٰ کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ قوانین خداوندی کا اتباع بغیر نظام کی موجودگی کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اجتماعی احکامات میں ان کا نفاذ و اجراء نظام ہی کر سکتا ہے۔ یہ اطاعت انفرادی طور پر ہو ہی نہیں سکتی۔ ہم آج کل مجبور ہیں کہ سود کھائیں۔ غیر اسلامی نظام میں سود سے اجتناب کر ہی نہیں سکتے۔ اس لیے تقویٰ کے لئے شرط ہے کہ سچوں کی معیت اختیار کی جائے۔

(3) ارشاد ہوتا ہے فَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَہٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ (2:283) تو جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے وہ اِس کی امانت ادا کرے اور اللہ سے جو اِس کا رب ہے ڈرا کرے' یہاں امانت کی ادائیگی کو تقویٰ قرار دیا گیا ہے۔

(4) ارشاد عالی ہے بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (3:76) کیوں نہیں' جو کوئی اپنا عہد پورا کرے' اور وہ پرہیز گار رہے' تو اللہ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے۔ اِس جگہ عہد پورا کرنے کو تقویٰ قرار دیا گیا ہے۔

(5) ارشاد ہوتا ہے وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْہُ شَیْئًا (2:282) جس پر حق عائد ہوتا ہے وہ دستاویز لکھوائے' اور وہ اللہ جو اس کا رب ہے' اُس سے ڈرے اور اس میں سے کچھ کم نہ کرے۔ یہاں یہ حکم ہوا ہے کہ کاتب کو چاہیئے کہ بلا انکار کئے جس طرح شرع کا حکم ہوا ہے وہ دستاویز تحریر کر دے اور اِس دستاویز کو تحریر کرنے میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرے۔ قرض کی رقم کی دستاویز تحریر کرنی' اور اس دستاویز میں رقم کی کمی بیشی نہ کرنی' کو تقوی قرار دیا گیا ہے۔

(6) ارشاد عالی ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰٓوا (2:278) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سود سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو' یعنی سود کی حرمت و ممانعت سے پیشتر جو سود لے چکے ہو' وہ تو خیر لے ہی لیا' لیکن ممانعت کے بعد جو سابقہ سود تھا اس کو بھی ہرگز نہ مانگو۔ یہاں سابقہ سود کو چھوڑ دینے کو تقویٰ کہا گیا ہے۔

(7) وَجِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ (3:50) اور تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لے کر آیا ہوں سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ یعنی جب میری صداقت کے نشان دیکھ لیے ہیں تو اب تمہیں خدا سے ڈر کر میری اطاعت کرنی چاہئے۔ یہاں حضرت عیسیٰ کی اطاعت کو اللہ سے تقویٰ قرار دیا گیا ہے' رسول یا نبی کی اطاعت ہی تقویٰ ہے۔

(8) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً وَّاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (3:130) اے ایمان والو، دونے پر دونا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تمہارا بھلا ہو۔ یعنی سود کھانے میں بھلا نہیں ہے بلکہ تمہارا بھلا اس میں ہے کہ خدا سے ڈرو۔ سود کھانا چھوڑ دو۔ یہاں سود نہ کھانے کو تقویٰ گردانا گیا ہے۔

(9) ارشاد عالی ہے اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ (26:163 ; 26:179) میں تمہارے لئے پیغام لانے والا ہوں' اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ انبیاء کرام کا یہ قولِ مبارک کئی جگہ دہرایا گیا ہے۔ تقریباً تمام انبیاء کرام نے یہی کہا کہ اللہ سے

ڈرو اور اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ میری اطاعت کرو۔ انبیاء کرام کی اطاعت ہی تقویٰ ہوتا ہے۔

(10) فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا (64:16) جہاں تک بھی ہو سکے اللہ سے ڈرو اور سنو اور اطاعت کرو۔ یہاں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو سننا' اور اِس پر عمل کرنا تقویٰ قرار دیا گیا ہے۔

(11) اِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (4:129) اور اگر اصلاح کرتے رہو اور اُس سے ڈرتے رہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی اگر اپنی بیویوں کے بارے میں اصلاح و مصالحت کا معاملہ کرو گے' اور تعدی اور حق تلفی سے بچے رہو گے' تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔ اس جگہ اپنی ازواج سے مصالحتِ معاملات کو تقویٰ کہا گیا ہے۔

(12) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (49:10) مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں' بس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جاوے۔ جب دو بھائی آپس میں ٹکرا جائیں تو ان کو ان کے حال پر یوں ہی نہ چھوڑ دو بلکہ اصلاح کی پوری کوشش کرو' اپنے دو بھائیوں کی آپس میں صلح کرانا تقویٰ ہے۔

(13) وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (2:179) اور تمہارے لئے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے علقمند و تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ معاشرہ کے لئے یہ حکم کہ قصاص کے معاملہ میں کسی سستی' جانبداری یا چشم پوشی سے کام نہ لیں۔ جو کسی کو قتل کرتا ہے وہ صرف اسی کو قتل نہیں کرتا۔ بلکہ پوری انسانیت کو قتل کر دیتا ہے یہ سب کی ذمہ داری ہے کہ قصاص لے کر معاشرہ میں امن قائم کریں اور اس طرح یہ ایک ضمانت بھی ہو گی کہ آئندہ قتل کی واردات میں کمی واقع ہو۔

(14) ارشاد ہوتا ہے وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (5:8) اور کسی قوم کی دشمنی انصاف چھوڑنے کا باعث نہ بنے' عدل کرو کہ یہی تقویٰ کے قریب ہے' کسی قوم کی دشمنی کے باوجود اس سے عدل قائم رکھنا تقویٰ ہے۔

(15) ارشاد ہوتا ہے وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (29:16) اور ابراہیم کہ جب اُس نے اپنی قوم سے کہا' بندگی کرو' اور ڈرتے رہو اس سے یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو۔ اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی محکومیت اور تقویٰ کو ایک ہی چیز قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اسلامی نظام کی اطاعت ہی تقویٰ ہے۔

(16) اس بارے میں ایک بڑی جامع آیت یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ (71:3) اللہ کی محکومیت اختیار کرو' اس سے تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔

اِن آخری دو آیات نے بات بالکل واضح کر دی ہے اللہ تعالیٰ کی محکومیت اختیار کرو' اللہ سے تقویٰ اختیار کرو' اور میری اطاعت کرو۔ اس کی پہلی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ایسا نظام قائم کرو جس میں عملاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہو' اس نظام میں' اس نظام کے

قوانین کی نافرمانی کر کے غلط برے اور تخریبی نتائج واثرات سے بچو اور اس نظام کی فائنل اتھارٹی کی پوری پوری اطاعت کرو۔ چونکہ انبیاء کرام ہی ایسا انقلاب برپا کرتے تھے اس لئے جب تک وہ رسول زندہ رہتا تھا وہ خود اس نظام کی فائنل اتھارٹی ہوتا تھا۔ رسول کے انتقال کے بعد یہ اتھارٹی اس کے جانشین کی طرف منتقل ہو جاتی تھی اور اس جانشینِ رسول کی بھی اطاعت عبادتِ خداوندی ہو جاتی تھی۔ ہمارے اِس موجودہ دور میں چونکہ نبوت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ اس لئے ایسا کرنا ہم مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہم ایک ایسا نظام قائم کریں جس میں صرف اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کا عملاً نفاذ ہو اس نظام کے قوانین کی نافرمانی کے برے نتائج سے بچیں اور جو فائنل اتھارٹی اس دور میں جو قوانین جاری کر رہی ہو ان قوانین کی اس طرح اطاعت کریں کہ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (4:65) اپنے دل میں بھی کوئی تنگی و گرانی محسوس نہ کریں۔ اور بخوشی ان احکامات کی اطاعت کریں پھر آپ ملاحظہ فرمائیں کہ وہ نظام کس طرح جنت بداماں ہوتا ہے۔

آپ کی خدمتِ عالی میں سولہ آیات کریمات پیش کی گئی ہیں جن میں تقویٰ کے دینی مفہوم کو واضح کیا گیا ہے۔ قارئین کرام خود غور فرمائیں کہ تقویٰ کے اس مفہوم میں پرستش کا کوئی دخل ہو سکتا ہے؟ ہم نے تقوی کے ان عناصر کو تو ترک کر دیا ہے جن سے معاشرہ پر تعمیری اثرات پڑتے تھے اور جن سے اقوام زندہ رہتی ہیں لیکن ان اجزاء کو چھوڑ کر صرف پرستش کے پیچھے لگ گئے جس نے مسلمانوں کو اِس حال تک پہنچا دیا ہے۔

اب تقویٰ کی عملی مثالیں اس لئے پیش خدمتِ عالی کی جاتی ہیں تا کہ ان سے مفہوم مزید واضح ہو جائے۔ اور تقویٰ کا جو ربط ہمارے معاشرہ کے ساتھ عملی طور پر ہے وہ پیشِ نگاہ آ جائے۔

(1) قرآنِ کریم میں حکم ہے وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ (2:188) تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور اس کو حکام دہی کا ذریعہ نہ بناؤ۔ یعنی ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال نہ کھاؤ۔ اسی میں دھوکا جوا سٹہ زبردستی مال چھین لینا کسی کے حقوق کا انکار اور وہ مال جسے اس کے مالک نے خوشی سے نہیں دیا سب آج کل باطل میں شامل ہیں۔ ہمارا لین دین اگر قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق ہو جائے تو کئی مقدمہ بازیاں ختم ہو جائیں۔ باطل مال کھانے سے باہمی محبت دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ہمارے سارے معاشرے میں کرپشن ناسور کی طرح پھیلی ہوئی ہے کرپشن یعنی باطل مال کھانے کے غلط نتائج سے بچنا تقویٰ ہے۔ ہمارے ہاں صورتِ حال یہ ہے کہ جو لوگ پرستش کرنے میں پیش پیش ہیں اور حد درجہ شریعت کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ باطل مال کھانے سے اجتناب نہیں کرتے۔

(2) قرآن کریم کا حکم ہے وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ (6:132) ہر ایک کے لئے ان کے عمل کے مطابق درجات ہیں اور تیرا رب ان کے کام سے بے خبر نہیں ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں معارف القرآن میں تحریر ہے کہ ''جب رسول

آ گئے اور اطلاع ہوگئی پھر جیسا کوئی کرے گا' ہر ایک کے لئے' جن وانس صالح وطلاح میں سے جزا وسزا کے ویسے ہی درجے ملیں گے۔ ان کے اعمال کے سبب اور آپ کا رَب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں''۔ اس آیت کی اس روایتی تفسیر نے اس آیت کا تعلق اس دنیا سے بالکل منقطع کر دیا اور اس کو آخرت سے وابستہ کر دیا۔ حالانکہ اس آیت کا تعلق اس عملی دنیا سے ہے۔ ہمارے معاشرہ میں بھی یہ اصول کارفرما ہونا چاہئے کہ جو اپنی استطاعت کے مطابق کام کر رہا ہے اس کو وہی درجہ ملنا چاہئے لیکن ہمارے معاشرہ میں یہ نہیں ہو رہا ہے۔ نااہل لوگوں کو وہ درجات اور عہدے دیئے جا رہے ہیں جن کے وہ بالکل اہل نہیں ہیں۔ اور اس سے معاشرے میں بڑے بڑے اثرات پیدا ہو رہے ہیں' کیونکہ قرآن کے حکم کے خلاف کیا جا رہا ہے۔ ان تباہ کن اثرات سے محفوظ رہنا تقویٰ ہے۔

(3) قرآنِ کریم نے فرقہ بندی اور سیاسی پارٹیاں بنانا شرک قرار دیا ہے (6:159, 30:31-32) کیونکہ جب امت فرقوں اور پارٹیوں میں بٹ جاتی ہے' تو دین باقی نہیں رہتا۔ نہ اسلامی مملکت وجود میں آ سکتی ہے۔ فرقہ بندی کرنا' اور سیاسی پارٹیاں بنانے کے جو غلط نتائج برآمد ہوتے ہیں' ان سے بچنا تقویٰ ہے۔

(4) ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (5:8) کوئی قوم اگر تم سے دشمنی کرتی ہے تو یہ بات تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس سے عدل نہ کرو۔ اس کی طرف سے دشمنی کے باوجود اس کے ساتھ عدل کرو کیونکہ عدل تقویٰ سے قریب ہے۔ دشمن قوم سے بھی عدل کرنا لازمی ہے۔ اور عدل نہ کرنے کے غلط اثرات بہت سے برآمد ہو سکتے ہیں۔ ان غلط نتائج واثرات سے بچنا تقویٰ ہے۔

(5) ارشاد عالی ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (24:27) اے ایمان والو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں نہ چلے جایا کرو' یہاں تک کہ ان سے اجازت لے لو۔ اور ان گھروں کے رہنے والوں سے مناسب سلامت کر لو' یہی تمہارے حق میں بہتر ہے تاکہ تم یاد رکھو۔ حواشیٔ عثمانی میں تحریر ہے ''اندر جانے سے پہلے آواز دے کر اجازت حاصل کرے اور اِس سے بہتر آواز سلام کی ہے۔ حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ سلام کرے اور اجازت داخل ہونے کی لے۔ اگر تین بار سلام کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ فی الحقیقت یہ ایسی حکیمانہ تعلیم ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو صاحبِ خانہ اور ملاقاتی دونوں کے حق میں بہتر ہے مگر افسوس آج مسلمان ان مفید ہدایات کو ترک کرتے جاتے ہیں جن کو دوسری قومیں ان سے ہی سیکھ کر ترقی کر رہی ہیں''۔

حضرت اقدس نے اس حکم کی جو تعریف فرمائی ہے وہ صد فیصد درست ہے۔ لیکن ہم یہ اضافہ کرنا بہت ضروری سمجھتے ہیں' جو حضرتِ اقدس نظر انداز کر گئے ہیں کہ تحریکِ طلوع اسلام کے نزدیک' قرآنِ کریم کے ہر حکم کی اطاعت عبادت خداوندی ہے۔ ہر شخص کو چاہئے کہ اس حکم کو نظر انداز نہ کرے' کیونکہ دوسروں کے گھروں میں بغیر اجازت کے داخل ہونے سے جو قباحتیں پیدا ہوتی ہیں' ان قباحتوں

سے بچنا تقویٰ ہے۔

(6) ارشاد باری تعالیٰ ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ (2:282) ایمان والو جب تم آپس میں ادھار کا معاملہ کرو کسی مقررہ وقت تک کے لئے تو اس کو لکھ لیا کرو۔ جب آپ اس حکم کی تعمیل فرمائیں گے اور ادھار دیتے یا لیتے وقت، اس کو ضبطِ تحریر میں لے آئیں گے، تو آپ اللہ کی عبادت کریں گے، جب اللہ تعالیٰ کے ایک ایک حکم کی اطاعت سے اس کی عبادت ہوتی چلی جاتی ہے، تو پھر پرستش کی گنجائش کس جگہ رہ جاتی ہے۔ پھر اگر کوئی شخص اس معاہدہ کو اس لئے تحریر میں لا رہا ہے کہ اُسے ڈر ہے کہ کوئی پارٹی معاہدہ سے منحرف نہ ہو جائے، تو اس کے انحراف کے غلط نتائج سے بچنا تقویٰ ہے۔

(7) ارشاد عالی ہے وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ (2:233) اور بچے والی عورتیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ جو ماں اپنے بچہ کو دو سال دودھ پلاتی ہے وہ اللہ کی عبادت کرتی ہے۔ اسے یہ خطرہ ہوگا کہ اگر میں بچہ کو دو سال تک دودھ نہیں پلاؤں گی تو یہ کمزور ہو جائے گا یا بیمار ہو جائے گا۔ دودھ نہ پلانے کے جو اثرات بچہ پر وارد ہو سکتے ہیں، ان سے بچنا تقویٰ ہے۔

(8) ارشاد عالی ہے وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (49:11) آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو، نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ جو شخص ان دونوں احکامات کی اطاعت کرتا ہے، وہ اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اور اس حکم کی نافرمانی کے غلط اثرات سے بچے گا، اور اس بچنے کا نام تقویٰ ہے۔

(9) ایک شخص دفتر میں ملازم ہے۔ اسلامی نظام میں جو شخص، نظام کی اطاعت کرتا ہے، وہ اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اگر اس دفتر کے شروع ہونے کا وقت 8 بجے ہے، تو اس ملازم پر فرض ہے کہ وہ اپنے دفتر 8 بجے پہنچ جائے اگر وہ دیر سے دفتر پہنچتا ہے، تو وہ اللہ رسول کی معصیت و نافرمانی کرتا ہے اور جرم کا مرتکب ہوتا ہے، دفتر دیر سے پہنچنے کی معصیت سے ڈر کر تاخیر سے ڈرنا تقویٰ ہے۔

(10) اگر ایک شخص لاہور سے کراچی جاتا ہے۔ مملکت کے احکامات کے مطابق وہ ریل کا ٹکٹ لیتا ہے۔ اس کا ریل کا ٹکٹ خریدنا عبادت خداوندی ہے۔ وہ ٹکٹ اس لئے لیتا ہے کہ ٹکٹ نہ لینے سے اسے مزید جرمانہ ادا کرنا ہوگا، جرمانہ کی رقم کی ادائیگی سے بچنا تقویٰ ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ یہ سب احکامات، عبادت، تقویٰ، یہ سب احکامات اسلامی نظام میں ہوں گے، غیر اسلامی نظام پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا۔ غیر اسلامی مملکت کی اطاعت تو ایک طرف، اس میں تو زندگی گزارنا بھی حرام اور جرم ہے اگر فرض کریں کوئی شخص ہندوستان میں دوسروں کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہیں ہوتا تو یہ کوئی اطاعت خداوندی شمار نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی اس پر عمل کرنے سے تقویٰ حاصل ہوگا۔ وہ بلا اجازت دوسروں کے گھروں میں اس لئے داخل نہیں ہوتا کہ وہاں کے سول (Civil Law) کے مطابق اس کو پکڑ لیا جائے گا۔ غیر اسلامی حکومتوں میں نہ ان کی اطاعت عبادت ہوتی ہے۔ نہ ان کے احکامات کی خلاف ورزی کے نتائج سے بچنا تقویٰ ہو سکتا ہے یہ تمام مثالیں جو اوپر تحریر کی گئی ہیں وہ سب اسلامی نظام کے حوالہ سے بیان کی گئی ہیں۔ مقصد ان کے پیش کرنے کا یہ واضح کرنا

ہے کہ تقویٰ کوئی ذہنی یا فکری چیز نہیں ہے۔ اس کا تعلق صرف آخرت سے بھی نہیں۔ اس میں پرستش کا بھی کوئی دخل نہیں۔ یہ انفرادی طور پر حاصل بھی نہیں ہوسکتا۔ اسلامی مملکت کے احکامات کی نافرمانی کے غلط اور تخریبی نتائج سے بچنے کا نام تقویٰ ہے نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم۔

☆.....☆.....☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہوچکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورہ یٰسین	(36)	164	150/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	----	سورہ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	400/-	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	سورۃ الفتح، الحجرات، قٓ، الذاریات، الطور، النجم	(48-49-50 51-52-53)	550	500/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ النور	(24)	264	350/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)، 25/B، گلبرگ 2، لاہور، فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

آصف جلیل

الهداية والعرفان فی تفسير القرآن بالقرآن
محمد ابو زيد الدمنهوری

سابقہ شمارے میں میں نے اس تفسیر کے پیش لفظ کا ترجمہ پیش کیا تھا۔ اس سے پہلے میں نے بتایا تھا کہ یہ تفسیر عام ڈگر سے ہٹ کر ہے جس میں ہر آیت کی تشریح نہیں کی گئی بلکہ اس کا بیشتر حصہ کسی بھی موضوع سے متعلق تمام آیات کے حوالہ جات پر مشتمل ہے۔ میں قارئین کی درخواست اور ان کی دلچسپی کے لئے ان الفاظ کے معنی کا ترجمہ کر رہا ہوں جو محترم محمد ابوزید نے مروجہ معانی سے ہٹ کر دیئے ہیں۔ یہ حیران کن حد تک ان مفاہیم کے قریب تر ہیں جو علامہ پرویز صاحب نے اپنی کتابوں میں دیئے ہیں، اگرچہ بعض مقامات پر مختلف بھی ہیں:۔

بسم اللہ: القرآن کی ابتدا (**باسم اللہ**) سے کی گئی ہے تا کہ اسے الٰہی حیثیت دی جا سکے۔ لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ احکام **الملک** جو (**الرحمن الرحیم**) ہے کے نام سے جاری کرتے ہیں۔ وہ ان بادشاہوں سے بہت بلند ہے جو لوگوں کو تنگ کرنے کے لئے قوانین بناتے ہیں تا کہ وہ ان پر زیادتیوں کی لذت حاصل کریں۔

الفاتحة:

(۲) (**رب العالمین**) اللہ تمام انسانوں کا رب ہے۔ اس کے نزدیک کوئی محبوب نہیں ہے بلکہ اس کے فیصلے عدل اور مساوات پر مبنی ہوتے ہیں۔

(۵) (**عبادت**)۔ اللہ کی اطاعت۔ جو کوئی غیر اللہ کی ایسی اطاعت کرتا ہے جو اللہ کے احکام کے خلاف ہو تو اس نے شرک کیا۔ دیکھئے **سورة الجن.**

البقرة:

(۱۴) (**شیاطینھم**) ان کے بڑے اور شر کی طرف بلانے والے۔ اس طرح کے دو چہروں والے گروہ ہر زمانے میں ہوتے ہیں۔

مؤمنوں کے لئے ان کا نقصان ظاہری کافروں کی نسبت بہت زیادہ ہوتا ہے۔

(آیات ۳۰ تا ۳۹)۔ یہ ایک تمثیلی کہانی ہے جس میں انسانی زندگی اور اس کے ارتقاء کا ذکر ہے۔

(الملائکۃ) یہ نظام اور سنتوں کے جہان کے پیغامبر ہیں۔ انسان کے لئے ان کے سجدے کا مطلب یہ ہے کہ کائنات اس کے لئے مسخر کر دی گئی ہے۔

(ابلیس) یہ ہر حق کے مقابلے میں تکبر کرنے والے کا نام ہے۔ اس کے بعد لفظ شیطان اور الجان آتا ہے۔ یہ وہ قسم ہے جسے مسخر کرنا انسان کے لئے بہت مشکل ہے۔

(الشجرۃ) بطور مثال ان اشیاء کے لئے آیا ہے جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

(۵۴) (فاقتلوا انفسکم) یعنی اپنے اندر کی برائیوں میں زندگی نہ رہنے دو۔

(۶۵) انہوں نے بندروں جیسی صفات اپنالی تھیں۔ یعنی شہوتوں میں بڑھ جانا اور نافرمانی میں حد سے بڑھ جانا۔

(۱۰۲) شیاطین یعنی متکبر اور شر پسند لوگ حضرت سلیمان کے بارے میں جھوٹی باتیں پھیلاتے تھے۔ (السحر) جو بات کسی کے کان میں ڈالی جائے وہ اس پر اثر انداز ہوتی ہے اور وہ اسے سچ مان لیتا ہے۔ اور اس کے بارے میں جو سنتا ہے اسے حقیقت کے طور پر اپنے سامنے پاتا ہے اگرچہ وہ حقیقی تصویر نہیں ہوتی۔ دیکھئے فرعون کے ساحروں کے بارے میں الاعراف ، طٰہٰ ۔ جو کچھ ہاروت اور ماروت نے دعوی کیا تھا اس کی تردید کی گئی ہے۔

(۱۰۶) ۸۹ کے سیاق میں تدبر کریں اور النحل کی آیت ۱۰۱ سے پہلے اور بعد میں پڑھیں اور الرعد کے آخر میں اور المائدۃ کے شروع میں تو معلوم ہوگا کہ منسوخ ہونا اور بھول جانا سابقہ کتب کے بارے میں ہے اور مقصد یہ ہے کہ القرآن کو ثابت کیا جائے کہ وہ تصدیق کرنے والا اور تجدید کرنے والا ہے۔

(۱۸۳۔۱۸۷) (ایام معدودات) نہ ان کی نشاندہی کی ہے نہ ان کو طے کیا ہے۔ جس طرح الصلاۃ کے اوقات طے نہیں کئے گئے کیونکہ ممالک مختلف جگہوں پر واقع ہیں۔ جس نے القرآن نازل کیا ہے اسے معلوم ہے کہ بعض سمتوں میں ایک دن ہمارے کئی مہینوں کے برابر ہوتا ہے اور اسی طرح رات بھی۔ اس لئے اس حکمت پر تدبر کرنا چاہئے۔

(یطیقونہ) ان کا استطاعت کی آخری حد پر ہونا، کمزوری کی وجہ سے یا پر مشقت کام کی وجہ سے۔

(۲۲۹ مرتان) یعنی ایک دفعہ کے بعد دوسری تاکہ یہ بتایا جائے کہ طلاق کا لفظ ایک کے لئے ہوتا ہے زیادہ کے لئے نہیں۔

(۲۳۰ زوجا)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حلالہ کے نام پر جو کچھ کیا جاتا ہے وہ باطل ہے۔ کیونکہ جس شخص کو حلالہ کرانے کے لئے لایا گیا ہے وہ ادھار کا بکرا ہے زوج (شوہر) نہیں۔ یہ عزتوں سے کھیلنے اور اللہ کی حکمت میں گڑبڑ کرنے کے مترادف ہے۔

(۲۵۹) تمثیلی طور پر جس کی شکل یہ ہے کہ جب آپ نیند میں مرتے ہیں تو جیسے آپ کی نظر میں سو سال ہو چکے ہوتے ہیں۔ لیکن جب

نیند سے بیدار ہوتے ہیں تو آپ کو ایسا لگتا ہے کہ میں نے تھوڑا سا وقت گزارا ہے۔ آپ کے پاس جو کھانے پینے کی اشیاء ہوتی ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہوتی۔ حیرت ہے ان لوگوں پر جو بعثت اور قیامت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ روزانہ نیند سے ایسے اٹھتے ہیں جیسے موت سے اٹھے ہوں۔ دیکھئے الانعام ۶۰۔

(۲۶۰) (فصرھن) ایسا کریں کہ وہ اپنا ٹھکانہ آپ کے پاس پائیں۔ یہ سدھانے اور پالنے سے ہوتا ہے۔ یہاں مرنے کے بعد اٹھنے کی ایک اور مثال پیش کی گئی ہے جس میں روحوں کو پالنے اور بلانے کا تصور دیا گیا ہے۔ دیکھئے الروم ۲۵۔۲۷۔

(۲۷۵) (الربا) اصل زر پر بہت زیادہ منافع لینا ..... آل عمران کی آیت ۱۳۰ میں۔ اسے پہلے دیکھ لیں۔ (الشیطان) یہ لفظ سانپ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ دیکھئے النمل ۱۰، الشعراء ۳۲، طه ۲۰ پھر الصافات ۶۵ دیکھئے اور الأنعام ۷۱۔ ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ لوگ (یعنی زیادہ منافع لینے والے۔ آصف) اپنی حرکات میں مضطرب اور بے چین ہوتے ہیں جس طرح سانپ کا ڈسا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ ان کی زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی ہوس ہے۔ التکاثر پڑھئے۔

(فله ما سلف) قانون کا اصول یہ ہے کہ اس کا اطلاق ماضی سے نہیں ہوتا۔

(۲۸۴) اس کی مشیت حتمی ہے لیکن وہ اس کی حکمت اور طریقہ کار کے خلاف نہیں ہوتی۔ اس کی قدرت بالعموم ہے لیکن وہ اس کے نظام سے اور تقدیر سے تجاوز نہیں کرتی۔ دیکھئے الانسان ۳۰۔۳۱، طه ۸۲۔

آل عمران:

(۳) (الفرقان) وہ قوت جس سے انسان معاملات اور رونما ہونے والے واقعات میں اور شریعت کے اصولوں کے نفاذ میں صحیح اور غلط میں فرق کرتا ہے۔ اسے میزان اور حکمت بھی کہا جاتا ہے۔ دیکھئے الانفال ۲۹، البقرة ۱۵۱ اور الشوری ۱۷۔

(۶) یہاں رحم مادر میں صورت بنانے کا ذکر پیش لفظ کے طور پر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے ذکر کا اور یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صورت رحم مادر میں اسی طرح بنائی جیسی کہ دوسرے انسانوں کی۔ یہ ان لوگوں کو رد کرنے کے لئے ہے جو ان کی (حضرت عیسیٰ کی۔ آصف) عبادت کرتے ہیں اور ان کی ایسی صفات پیش کرتے ہیں جس سے وہ بشریت کی حد سے نکل جاتے ہیں۔

(۷) (ام الکتاب) اس کے اصول جن کی طرف رجوع کیا جائے۔ دیکھئے الفاتحة. (متشابهات) جن میں دیکھنے والے کو ملتے جلتے معانی ملتے ہیں۔ دیکھئے الزمر ۲۳۔ (تأویله) اسے اس کی ابتدا تک لے جانا اور جو کچھ اس سے مراد ہے۔ دیکھئے الاعراف ۵۳۔

(الراسخون فی العلم) جو اللہ کے بعد متشابہات کی تاویل کرتے ہیں اور اس کے حقیقی معانی سمجھتے ہیں۔ دیکھئے النساء ۱۶۲

(۴۵۔۶۴) (فی المهد) یعنی عمر کے ابتدائی دور میں۔ اس بات کی علامت ہے کہ وہ جرأت اور قابلیت کی طاقت رکھتے تھے۔

(وکھلا) یہ کہ ان کا حوصلہ بڑی عمر اور بزرگی میں کم نہیں ہوا۔ یہ معنی بھی صحیح ہوگا کہ وہ چھوٹی اور بڑی عمر کے لوگوں سے بات کرتے تھے جو ان کی منکسر المزاجی کی علامت ہے اور یہ کہ وہ دعوت کا کام خود کرتے تھے۔ دیکھئے مریم ۲۹، الزخرف ۱۰، الزاریات ۴۸، الروم ۴۴، المدثر ۱۴، آل عمران ۶۔۷، المائدۃ کی آیت ۱۲ سے اور اس کی آخری آیات پر غور کریں اور پھر النساء آیت ۱۵۰ سے اور الصف پڑھیں، التوبۃ ۳۰۔۳۳، الحدید ۲۷ پھر سورۃ مریم پڑھیں۔

(۴۶) (کھیئۃ) یہ تمثیلی طور پر لوگوں کو جہالت کے بوجھ اور اس کی تاریکی سے نکال کر علم کے ہلکے پن اور اس کی روشنی کی طرف لے جانا ہے۔ (الأکمہ) جس کے پاس غور سے دیکھنے کی صلاحیت نہیں۔ (الابرص) رنگین جو فطرت کی شکل بگاڑتا ہے۔ حضرت عیسیٰ یہ ٹھیک کرتے تھے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اچھے اعمال سے جسمانی ساخت کی تکمیل کرتے تھے؟ یا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ دین کی ہدایت سے ان کی روحانی اور فکری ساخت کی تکمیل کرتے تھے۔ پڑھئے فاطر اور الأعراف کا آخری حصہ، الروم ۵۲۔۵۳، فصلت ۱۷، الرعد ۱۹، یونس ۵۷، الحج ۴۶ پھر المائدۃ پڑھیں جس کے آخر میں آپ کو اس موضوع کا باقی حصہ ملے گا۔

(۵۴۔۵۵) انکے مکر کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے صلیب پر چڑھانے کے لئے منصوبہ بندی کی تھی۔

(مکر اللہ) اللہ نے انہیں بچانے کی منصوبہ سازی کی اور انہیں بشارت دی کہ وہی انہیں وفات دے گا، وہ بدبختوں کے ہاتھوں سے نہیں مریں گے۔ دیکھئے النساء کا آخری حصہ۔

(۵۹) یعنی حضرت عیسیٰ بشری نظام سے باہر نہیں تھے کہ وہ لوگ انہیں بلاوجہ الٰہی صفات کا حامل بتائیں۔ دیکھئے قصہ آدم البقرۃ کے شروع میں۔

(۱۳۰) (الربا اضعافا مضاعفۃ) یعنی اصل زر پر حد سے زیادہ منافع.....؛ اس کی سزا کے بارے میں دیکھئے البقرۃ کا آخری حصہ اور یہودیوں کا قصہ النساء کے آخر میں پھر النساء کی آیت ۱۵ اور ۴۳ پر واپس آئیں۔

(۱۵۴۔۱۵۷) دیکھئے المنافقون اور یہ سمجھ لیں کہ یہ مومنین کے لئے ترغیب ہے کہ وہ اپنی جان کو اپنی قوت کے لئے صرف کریں۔ اور یہ دعوت ہے انکو کہ وہ اللہ پر اعتماد کریں اور موت پر ایمان لائیں۔ اگر مرنا ہی ہو تو وہ دین اور وطن کے لئے ہو۔ کیونکہ اس میں اگر جسموں کی موت ہوتی ہے تو ارواح اور امت کی زندگی ہوتی ہے۔

سورۃ النساء:

(۳) (من النساء) یہاں بات یتیم عورتوں کی ہو رہی ہے کیونکہ ان سے شادی کرنے سے ان کے مال کا غلط استعمال رکتا ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا صرف اس صورت میں جائز ہے جب عدل کی شرط کے ساتھ ایک سے زیادہ

شادیوں کا نقصان معاشرے میں اس نقصان سے کم ہو جو اس پر پابندی لگانے سے ہو۔ اور یہ جان لینا چاہئے کہ اس آیت میں زیادہ شادیوں کی اجازت شروع اور آخر میں دی جانے والی شرط پوری کرنے کے بعد ہے۔ (ان خفتم الا تقسطوا . فان خفتم الا تعدلوا)

(۴) (نحلة) یہ خالصتاً عطیہ ہے جس سے یہ احساس بھی پیدا نہ ہو سکے کہ انہیں خریدا جا رہا ہے۔ اور یہ کہ انہیں اسے چھوڑنے کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔

(۲۵) (فتیاتکم) اس میں گھر میں کام کرنے والی عورتوں کا خیال رکھنے کے بارے میں آیا ہے۔ اور اگر کوئی ایسا شخص ان سے شادی کرنا چاہے جو اپنا گھر چلانے کے اخراجات پورے نہیں کر سکتا تو ان کے لئے آسانی پیدا کریں۔ دیکھئے النور ۳۳، الکھف ۶۰، یوسف ۳۰، ۳۶، ۴۲، ۶۲۔

(العنت) تنگی۔ دیکھئے البقرة ۲۲۰، الحجرات ۷، التوبة ۱۲۸، آل عمران ۱۱۸۔ اس آیت میں ان لوگوں کی بات کو رد کیا گیا ہے جو ملک یمین گھریلو ملازمات وغیرہ سے بیویوں کی طرح تمتع کرنا چاہتے ہیں اس بہانے کہ انہیں مال دے کر خریدا گیا ہے یا یہ کہ وہ جنگی قیدی ہیں۔ اسلام میں عورت سے جنسی تعلق شادی کے سوا کسی صورت جائز نہیں ہے چاہے وہ مملوکہ ہو یا مالکہ۔

(۵۸) یہ بنیاد ہے ہر اس شخص کے لئے جو امت کے کسی بھی کام کی ذمہ داری لے۔

(۵۹) اولی الامر کو الرسول کی اطاعت کے ساتھ اطاعت میں لایا گیا ہے کیونکہ رسول ایک شورائی حکومت کا سربراہ ہوتا ہے جو کہ اللہ کے قانون کا نفاذ کرتی ہے۔ اور جو بھی سربراہ اللہ کے احکام کو نافذ کرتا ہے اس کے لئے ایسی اطاعت ہوگی۔ لفظ (اولی) جماعت کے لئے ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شخصی حکومت کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لفظ (منکم) سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جماعت (یہاں سیاسی جماعت مقصود نہیں۔ آصف) لازمی طور پر امت میں سے ہو۔ لہٰذا غور کریں اور جان لیں کہ یہ امت کی حکمرانی کا فیصلہ کرنے کے لئے ہے۔ یہ سربراہی کے احترام کے لئے بنیاد ہے اور قانون کی حکمرانی نظام کی حفاظت ہے۔ ۶۵ تک پڑھئے اور ۸۰۔۸۳ پھر دیکھیں کہ حکومت کرنے اور فرائض منصبی ادا کرنے والوں کے بارے میں کیا نصیحت کی ہے النساء کی ۵۸ اور ۱۵۳ آیت میں اور المائدة ۸، لقمان ۱۴۔۱۵، پھر دیکھئے الشوری ۱۰۔

(۶۴) اللہ کے قول (باذن اللہ) میں تدبر کریں تا کہ معلوم ہو کہ کہ جو کوئی بھی اللہ کے خلاف جائے گا چاہے لوگوں کے نزدیک وہ کتنا ہی بلند مرتبہ رکھتا ہو یا جو بھی اس کی حیثیت ہو، اس کی اطاعت نہیں ہو سکتی۔

(۸۳) یہ مشاورت کی بنیاد ہے۔ اور امت میں سے اہل رائے لوگ جو معاملات کی فہم رکھتے ہیں ان کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ دیکھئے الشوری ۳۸ پھر النساء ۵۹ کی طرف لوٹیں۔

(۹۰) دیکھئے کس حد تک معاہدوں اور باہمی سمجھوتوں کا احترام کیا جاتا ہے کہ جس کا بھی تعلق بنتا ہے ان سے جن سے ہم معاہدے کرتے

ہیں، ہم پر ان کا احترام بھی واجب ہے اور ان سے جنگ نہیں کی جاتی۔ اسے آپ سمجھ لیں کہ غیروں سے جنگ اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ دین اور عقیدے میں ہمارے مخالف ہیں بلکہ اسی وجہ سے کہ وہ ہم سے جنگ کرتے ہیں اور ہمیں اپنے حقوق سے محروم کیا جاتا ہے۔ دیکھئے الانفال اور التوبۃ۔

(۹۴) (فتبینوا) اس کا ذکر دو مرتبہ آیا ہے۔ پہلے میں جغرافیے اور جنگ وغیرہ کے بارے میں علم ہونا جس کی زمین میں نقل وحرکت کے لئے ضرورت ہوسکتی ہے۔ دیکھئے المزمل کے آخر میں۔ دوسری مرتبہ سر تسلیم خم کرنے والے اور جنگ کرنے والے کے بارے میں اچھی طرح جاننے کے لئے، تاکہ کسی کا قتل کسی کی ذاتی خواہش یا غفلت کی وجہ سے نہ ہوجائے۔ لہٰذا انصاف کرتے وقت بھی باریک بینی سے کام لینا چاہئے اور مفاد عامہ کے معاملات میں ذاتی خواہشات کو شامل کرنے سے محتاط رہنا چاہئے۔

(۹۷۔۱۰۰) ہجرت کرنے کا اصل مقصد آزادی اور ملک کی خودارادیت ہونا چاہئے۔ (مراغما) سے مراد ایسی جگہ ہے جہاں دشمن کو مجبور کردیا جائے کہ وہ حق کو تسلیم کرلے۔

(۱۵۹) یہ ضرور ہے کہ ان میں سے کوئی اس حادثے کے بعد ان پر (حضرت عیسیٰؑ۔ آصف) پر ایمان لایا ہوگا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قتل ہونے سے بچ گئے اور ان کی دعوت ہجرت کے ساتھ ساتھ جاری رہی حتیٰ کہ انہوں نے طبعی موت پائی۔ دیکھئے حضرت ابراہیم کا قصہ الانبیاء میں پھر النساء ۱۴۱۔

(۱۷۱) (روح منه) دیکھئے ص ۷۱۔۷۲، الحجر ۲۸۔۲۹، آل عمران ۵۹ سے پہلے اور بعد میں، السجدة ۷۔۹، المائدہ ۱۵۔۲۰ اور ۷۲۔۷۷، آپ کو معلوم ہوگا کہ تمام لوگ اللہ کی روح میں سے ہیں اور حضرت عیسیٰ اللہ کے بندوں میں سے ایک ہیں۔ ان میں کوئی ایسی صفت نہیں تھی جو انہیں بشریت سے نکال کر الوہیت کی طرف لے جائے۔

المائدة:

(۱۸) دیکھئے البقرة ۱۱۱ اور جان لیں کہ (یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء) کے معنی یہ ہیں کہ وہ (اللہ) انسانوں کی مرضی اور ارادوں کے مطابق نہیں چلتا بلکہ وہ مغفرت کرتا ہے یا عذاب دیتا ہے اپنی حکمت اور عدل کے مطابق۔ لہٰذا نہ تو کسی کو کوئی لالچ ہونی چاہئے اور نہ اس بات کا ڈر کہ اسے اپنے عمل کے علاوہ کچھ بھگتنا ہوگا۔ دیکھئے النساء ۱۱۶، طٰہٰ ۸۲۔

(۲۶) (یتیهون فی الأرض) تاکہ وہ نسل ختم ہوجائے جو ظلم واستبداد کی گود میں پلی ہے اور نئی نسل دیہاتوں میں آزادی کے ساتھ پرورش پائے جس سے اس میں بہادری اور وطن کے دفاع کی قوت پیدا ہو۔ دیکھئے بنی اسرائیل کا قصہ الاعراف میں۔

(۲۷) یہ مثال ہے جو بتاتی ہے کہ کیسے ایک انسان اپنے بھائی جیسے دوسرے انسان سے جو اچھی زندگی گزار رہا ہو حسد کرتا ہے۔ دیکھئے الفلق کے آخر میں۔

(۳۱) اس میں اس انسان کی ملامت کی گئی ہے جو اپنے بھائی کے ساتھ جانوروں سے بھی کم ہمدردی رکھتا ہے۔

(۳۸) آیت ۳۳ کی طرف لوٹیں اور جان لیں کہ (السارق والسارقۃ) کے الفاظ عادی چور ہونے کے معنی دیتے ہیں۔ یعنی چوری کرنا ان کی ذات کا حصہ بن چکا ہوتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو ایک یا دو مرتبہ چوری کرے پھر وہ اس کو جاری نہ رکھے اور نہ ہی ڈاکے زنی کا عادی ہو، اس کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جاتی کیونکہ اس سے وہ معذور ہو جائے گا۔ ایسا صرف اسی صورت میں ہوگا جب اس کی اصلاح سے مایوس ہو جائیں۔

(۳۹) توبہ کے بعد عملِ صالح کرنا ضروری ہے کیونکہ اس سے نفس کی تطہیر ہوتی ہے اور اس پر عملی نظام کا انحصار ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ توبہ سچی ہے۔ دیکھئے التحریم ۸، النحل ۱۱۹۔

(۱۱۰۔۱۲۰) (الموتی) ان کے معنی مشترک ہیں چاہے جسمانی طور پر مردہ ہوں یا نفس اور دل کی موت، جہالت اور غلامی کا مردہ پن ہو، یا الزامات فیصلے اور موت کی سزا ہو۔ پڑھئے الانفال ۲۴ تک اور ۴۲ دیکھئے س ۷۰، الانعام ۱۲۲، النحل ۹۷، سبأ ۱۴، الجاثیۃ ۱۲۔۲۶، البقرۃ ۷۲۔۷۳، پھر پڑھئے غافر ۶۸ تک اور الروم ۴۰ تک۔ ان میں آپ جسم کے مردہ دیکھیں گے اور ان کا زندہ کرنا صرف اللہ کے لئے مختص ہے۔ پڑھئے البقرۃ ۲۴۳۔۲۵۲، پھر ابراھیم کے شروع میں (باذنی) ''میرے طریقہ کار اور نظام کے مطابق''۔ جس قدر ان میں ہدایت پانے کی استعداد ہوگی اتنا ہی ان کے دلوں پر اس کا اثر ہوگا۔ دیکھئے آل عمران ۴۹ تک، ۵۹، ۶۴۔۱۴۵، ۱۶۵، ۱۶۶، ان سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے رسول ہیں جنہیں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تاکہ انہیں نفس کے امراض سے شفا دے اور ان کے مردہ دلوں کو زندگی دے۔ ان کی نشانیاں ان کی دعوت، سیرت اور ہدایت میں ہیں۔ انہوں نے دوسرے انبیاء کی طرح بطور ایک بشر کے زندگی گزاری اور وفات پائی۔ انہوں نے اللہ کے کسی طریقہ کار کی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز سمجھتے ہوئے اپنی الوہیت یا عبادت کی دعوت دی۔

(المائدۃ مکمل ہوئی۔ جاری ہے)

☆.....☆.....☆

PROPERTY FOR SALE

25 - B, Gulberg 2, (Ch. Zahoor Elahi Road) Lahore
(Adjacent to Tolu-e-Islam Trust Building) Area: 2 Kanal Plus -- Corner Plot
Interested parties may contact for further details:

Nadeem Pervaiz: 03334118829
Saleem Pervaiz: 03249883033 (NO Property Dealers Please)

عطاء الحق قاسمی

پاکستان نہیں تو کچھ بھی نہیں!

میں نے اپنے گزشتہ کالم میں سویڈن میں مقیم اپنے فیس بک فرینڈ امجد شیخ کا ایک خط شائع کیا تھا' جس میں انہوں نے پاکستان کی بجائے سویڈن کو اپنا وطن بنانے کی بہت سی وجوہات بیان کی تھیں۔ ان وجوہات کا تعلق جن امور سے تھا ان میں کچھ میں نے اپنی طرف سے بھی شامل کر دی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جب انہوں نے پاکستان میں ہوش سنبھالا تو یہاں ضیاء الحق کا مارشل لاء لگا ہوا تھا اور جعلی ریفرنڈم کے ذریعے عوام کے بنیادی حق' حق رائے دہی سے انہیں محروم کیا جا رہا تھا' دوسری وجہ یہ بتائی کہ پاکستانی معاشرے میں شدید گھٹن کا احساس ہوتا تھا' یہاں ہر شخص کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ مختلف بات کرنا پڑتی ہے۔ شخصی آزادیاں مفقود ہیں' لوگ ایک دوسرے کے معاملات کی کرید میں رہتے ہیں' مذہبی ریاکاری اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے اور ہر شخص کے پاس اپنی حرام خوری کا جواز موجود ہے' حکمرانوں کے علاوہ عوام کی اکثریت بھی کرپٹ تھی' چنانچہ انہوں نے ترکِ وطن کا ارادہ کیا اور سویڈن میں جا بسے۔ ان کے خط کی آخری سطور یہ تھیں: ''میں یہاں بہت خوش ہوں' سب لوگ ٹیکس دیتے ہیں' وقت پر آتے ہیں' کوئی جھوٹ نہیں بولتا' کوئی کسی کو دھوکا نہیں دیتا' میاں بیوی میں تلخی ہو جائے تو شرافت سے الگ ہو جاتے ہیں۔ سرکاری کاموں میں رشوت کا چلن بھی نہیں ہے' شراب پی کر لوگ گاڑی ڈرائیو نہیں کرتے اور اگر گاڑی چلانی ہو تو شراب نہیں پیتے۔ قانون کا احترام مذہب کی عبادت کی طرح کرتے ہیں۔ قاسمی صاحب! آپ ہمیں پاکستان بلاتے ہیں' آپ چاہتے ہیں ہم اپنی جنت چھوڑ کر واپس آ جائیں؟ کچھ عرصہ پیشتر ہمیں بہت شوق تھا کہ بچے اُردو بولیں' اُردو پڑھیں' چھت پر شوق سے سیٹلائٹ لگوائی' درجنوں ٹی وی چینل بھی آنے لگے' یقین جانیں دھماکوں اور بری خبروں کے سوا کچھ نہ تھا۔ آج میرے بچے آزاد فضا میں پل رہے ہیں' نہ انہیں اُردو زبان کی وسعت کا پتہ ہے اور نہ اسلام کی عالمگیریت کا' وہ سویڈش بولتے ہوئے بچے ایک اچھا انسان بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر میرے بارے میں پوچھیں تو میرے لئے آج بھی ''چھ..... چھیکا..... چھتی'' ہی ہے۔ قاسمی صاحب میں نے اپنی قربانی دے کر اپنی آنے والی نسلوں کو ''بندے کا پتر'' بنانے کا سامان کر دیا ہے!''

میں نے امجد شیخ کے خط کا نچوڑ ان صفحات میں بیان کر دیا ہے تاکہ جن قارئین کی نظروں سے ان کا خط نہیں گزرا تھا' وہ اس کے مندرجات سے آگاہ ہو سکیں۔ میں اگر چاہوں تو پاکستان میں پائی جانے والی خرابیوں اور مغرب میں پائی جانے والی خوبیوں کے جواب میں ان دونوں خطوں کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے پاکستانی معاشرے کی مزید خرابیوں اور اس کے ساتھ مغرب کی بھی بے شمار خرابیوں کا ذکر بہت تفصیل سے کر سکتا ہوں کیونکہ میں نے ان دونوں معاشروں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ میں نے اپنے عہد شباب

کے دو بہترین سال امریکہ میں گزارے ہیں مگر ہزاروں ڈالر ماہوار تنخواہ' ایئر کنڈیشنڈ اپارٹمنٹ اور جہاز نما گاڑیاں چھوڑ کر واپس وطن لوٹ آیا تھا کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں میری آئندہ نسل میں کوئی ''پیرزادہ پیٹر قاسمی'' جنم نہ لے بیٹھے' واپسی پر وہی کرائے کا گھر تھا' اخبار کی سب ایڈیٹری' تنخواہ مبلغ 323 روپے ماہوار اور بسوں کے دھکے تھے۔ میرا چھوٹا بیٹا علی اور اس کی بیگم بھی حصولِ تعلیم کے لئے چھ سال دیارِ مغرب میں گزار کر لمز اور پنجاب یونیورسٹی میں پڑھا رہے ہیں اور اپنے طور پر ایسا ذہن تیار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ آنے والی نسل پاکستان کو ان برائیوں سے پاک کر دے جو اسے اندر سے کھوکھلا کرتی چلی جا رہی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بے شمار پاکستانی ایسے ہیں جو کئی برس اپنی ''جنت'' میں گزارنے کے بعد واپس اپنے وطن لوٹ آئے۔ ان میں چکوال کے ناصر شیخ کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ انہیں پاکستان واپسی پر بدترین حالات کا سامنا کرنا پڑا لیکن انہوں نے یہ قربانی اپنے بچوں کے مستقبل ہی کی خاطر دی۔ ''بہتر مستقبل'' کیا ہے اس کی تعریف ہر کسی کی الگ الگ ہے۔

اور میرا نقطۂ نظر بہر حال یہ ہے کہ اگر ہم اپنے گرد و پیش سے بیزار ہوں تو کیا گرد و پیش میں رہنے والے لوگوں کو' جو ہمارے اپنے لوگ ہیں تنہا چھوڑ کر وہاں سے راہِ فرار اختیار کر لینا چاہئے یا ان میں رہ کر وہ ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے کہ اگر وہ نہیں' تو ان کے بچے ایک خوبصورت پاکستان میں زندگی گزار سکیں گے۔ میرے پیارے امجد شیخ' تم نے صرف اپنے بچوں کا سوچا' ان کروڑوں بچوں کا نہیں جو کسی مسیحا کے انتظار میں ہیں جو ان کے نیم مردہ جذبوں کو زندگی کی رمق عطا کرے۔ پاکستان کی دھرتی ہماری بیمار ماں ہے' بیمار ماں کو اکیلے نہیں چھوڑا کرتے' اہل مغرب نے ایسا نہیں کیا تھا' وہ کبھی ہم سے بھی زیادہ برے حال میں تھے' وہاں سے بھی کچھ لوگوں نے ترکِ وطن کیا مگر جو لوگ معاشرے کو تبدیل کرنا چاہتے تھے انہوں نے اس کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں اور پھر کئی صدیوں تک قعرِ مذلت میں رہنے کے بعد وہ آج کے دور میں پہنچے۔ یہ وحشی اقوام تھیں' ان کے درمیان خانہ جنگیاں ہوئیں انہوں نے دو عظیم جنگوں میں کروڑوں لوگ مار دیئے' ایٹم بم پھینکے' پھر انہوں نے حالات کی بہتری کے لئے تحریکیں چلائیں' بادشاہتوں اور آمریتوں کا خاتمہ کیا' قوانین کی پابندی کے لئے سخت ترین قوانین بنائے اور ان پر عملدرآمد کو یقینی بنایا لیکن آج بھی ان کے حکمرانوں کے اندر کا وحشی پسماندہ ملکوں کو مزید پسماندگی کی دلدل میں دھکیلنے کے لئے سائنسی حربے استعمال کرتا ہے۔ ساری دنیا کو تباہ کن ہتھیار یہی مہذب قومیں فراہم کر رہی ہیں' عورت کو مردوں کی تفریح کا ذریعہ بنا کر اس کے تقدس کو پامال کر دیا گیا ہے' امریکہ میں ایک گھنٹے کے لئے بجلی گئی تھی اور سینکڑوں عورتوں کو لفٹوں میں ریپ کر دیا گیا تھا' فیملی سسٹم تتر بتر ہو گیا ہے' لوگ اولاد پیدا نہیں کر رہے اور یوں پورا مغرب اس وقت قلتِ آبادی کا شکار ہو رہا ہے۔

معافی چاہتا ہوں ہمارے امجد شیخ! میں موضوع سے قدرے ہٹ گیا ہوں' میں کہہ رہا تھا کہ پاکستان کے بارے میں تمہاری بین السطور دردمندی قابلِ تحسین ہے' میں تمہاری اندرونی تکلیف کو اچھی طرح سمجھتا ہوں' تم محبِّ وطن ہو مگر وہ لوگ تم سے اور مجھ سے زیادہ محبِّ وطن ہیں جنہوں نے اپنی دھرتی ماں کے دکھوں کا علاج کرنے کے لئے اپنی عمریں جیلوں میں گزار دیں۔ بدترین قسم کا تشدد

برداشت کیا' کوڑے کھائے' پھانسیوں پر چڑھے' انہیں ''ماما جی'' کی عدالتوں میں پابجولاں لایا گیا' آج بھی حامد میر چھ گولیاں کھانے کے بعد کراچی کے ہسپتال میں تکلیف کی شدت سے کراہ رہا ہے۔ یہاں لوگوں نے عدلیہ کی آزادی کی تحریکیں چلائیں' میڈیا کی آزادی کے لئے جانوں کی قربانیاں دیں' جمہوری طاقتوں کو مضبوط کرنے کی کوشش کی اور الحمدللہ آج بھی اچھے اشارے سامنے آنا شروع ہوگئے ہیں۔ حالات آہستہ آہستہ بہتر ہو رہے ہیں۔ میری دعا ہے کہ ہم لوگ جلد از جلد پاکستان کو قائداعظم اور اقبال کے نظریات کے مطابق ایک اسلامی فلاحی مملکت بنانے میں کامیاب ہو جائیں۔ یاد رکھو' یہاں سب برے لوگ نہیں ہیں' یہاں سیاست' کاروبار' بیوروکریسی' فوج' دانش' تعلیم اور دیگر تمام شعبوں میں بہت اچھے لوگ بھی موجود ہیں جو اپنے اپنے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے قائد اور اقبال کے خواب کو عملی شکل دینے کے لئے کوشاں ہیں۔ یہاں ڈاکٹر امجد ثاقب ہیں' یہاں ڈاکٹر ادیب رضوی ہیں اور یہاں سب سے بڑھ کر عبدالستار ایدھی ہیں' جو بہت بڑے بڑے فلاحی منصوبوں پر کام کر رہے ہیں۔ پاکستان نے بدلنا ہے۔ تمہارے بچوں نے اپنے وطن پاکستان آنا ہے' تم نے بھی آنا ہے' ہم سب کی پہچان پاکستان ہی ہے۔ پاکستان ہماری جان ہے' ہمارا ایمان ہے' پاکستان ہمارے بغیر بھی سب کچھ ہے مگر ہم اس کے بغیر کچھ بھی نہیں ہیں۔

''بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور''

☆.....☆.....☆

ایک نکتہ

بنجر پاکستان میں باغبانی' جنگل کاری اور آبادکاری کے لئے تمام بے کار افرادی قوت کا صحیح استعمال ہی ہمارا بڑا مسئلہ ہے۔ کوئی ہے جو یہ حل کر دے!

(باغبان ایسوسی ایشن)

ایک مقدمہ' اقبال۔۔دشمنِ دُنیا و دین؟

محمد علی صابر صدیقی صاحب کا نام محتاج تعارف نہیں ہے۔ ان کے ناول ''بایزید یلدرم'' کے بعد نئی کتاب بعنوان ''ایک مقدمہ۔ اقبال۔ دشمنِ دنیا و دین؟'' شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں ہلکے پھلکے طنز و مزاح کے ساتھ ایک مقدمے کی شکل میں کلام اقبال اور افکارِ اقبال کے متعلق دلچسپ اور پُر مغز بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب 354 صفحات پر مشتمل ہے جو کہ صرف 300 روپے میں بزم طلوع اسلام' 25 بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔ برائے رابطہ: محمد اکرم راٹھور' موبائل: 0321-4460787

وسعت اللہ خان

چند طالب علمانہ معروضات وسوالات

کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک عام سے مسلمان کی طرح میں بھی دین کے بنیادی اصولوں سے واقف ضرور ہوں مگر ان کی باریکیوں اور شرح سے نابلد ہوں۔ چنانچہ اسلامی نظریاتی کونسل کے واجب الاحترام علماء کرام سے بلاتخصیص فرقہ وفقہ رہنمائی کا طلب گار ہوں۔

کیا شادی کے لئے لڑکے اور لڑکی کی کم ازکم عمر متعین ہے یا پھر اس بارے میں احکاماتِ شرعیہ کا لب لباب یہ ہے کہ جسمانی بلوغت کا معلوم ہوتے ساتھ ہی لڑکے لڑکی کا نکاح پڑھا دیا جائے یا پھر مراد یہ ہے کہ شادی کے لئے جسمانی بلوغت کی شرط لازم ہے؟

کیا نکاح کے لئے جسمانی بلوغت کو ہی معیار بنایا گیا ہے یا ذہنی بلوغت کو بھی اس ضمن میں ضروری اہمیت دی گئی ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر جس طرح جسمانی بلوغت کا ایک پیمانہ رکھا گیا ہے کیا ذہنی بلوغت کا بھی کوئی پیمانہ مقرر ہے کہ جس پر پورا اترے بغیر شادی میں جلد بازی نہ کی جائے؟ اور یہ کہ شادی کے لئے لڑکے اور لڑکی کی رضامندی سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ رضامندی بلا دباؤ ہونی چاہئے؟ اگر ہاں تو پھر جبری رضامندی اور اس کے نتیجے میں ہونے والے نکاح کے بارے میں شرعی احکامات کیا ہیں؟ اور شرعاً ایک لڑکے اور لڑکی کو عمر کے کس دور سے باہوش وحواس عاقلانہ آزادانہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت کا مظاہرہ کرنے کے قابل سمجھا جا سکتا ہے لیکن اگر محض جسمانی بلوغت ہی نکاح کا پیمانہ ہے تو ایسے بچے جو روزمرہ ضروریات یا حصولِ تعلیم یا کسی اور سبب سے والدین یا رشتے داروں کے زیر کفالت ہیں ان کی بعد از نکاح کفالت کے تقاضوں کے بارے میں کیا احکامات ہیں؟ کیا جسمانی بلوغت کے فوراً بعد شادی شدہ زندگی کا معاشی بار وہ خود اٹھائیں گے یا اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے تک یہ ذمہ داری والدین اور دیگر رشتے داروں پر عائد ہوگی؟

اگر ایک بچی بارہ برس اور بچہ چودہ برس کی عمر تک بالغ ہو جاتا ہے اور ان کی شادی ہو جاتی ہے تو کیا ایک چودہ سالہ لڑکے کے لئے عملاً ممکن ہے کہ وہ دینی ودنیاوی تعلیم جاری رکھ سکے یا پھر اسے سب سے پہلے اپنی اور بیوی کی کفالت کے معاملے پر توجہ دینا چاہئے۔ (دھیان رہے کہ چودہ برس کا جسمانی بالغ بچہ نویں درجے میں اور بارہ سالہ بالغ بچی زیادہ سے زیادہ ساتویں درجے میں پڑھ رہی ہوتی ہے)۔

ان شرعی احکامات کے بارے میں کیا ارشاد ہے جن کے تحت حصولِ علم ہر مسلمان عورت اور مرد پر فرض ہے۔ ایک چودہ سالہ شادی شدہ لڑکا کب روزی کمائے گا' کب علم حاصل کرے گا اور روز بروز بڑھتی ذمہ داریوں کے درمیان کہاں تک علم حاصل کر پائے گا؟ اور ایک بارہ سالہ لڑکی ایک برس بعد ممکنہ طور پر ماں بننے کے بعد کی کل وقتی مصروفیات کے نتیجے میں کس قدر تحصیل علم کر پائے گی؟ (لڑکیوں کی تعلیم اس لئے بھی ضروری ہے کہ اور کسی کی ہو نہ ہو ایک مثالی مسلمان معاشرے کو کوالیفائیڈ زنانہ طبی ماہرین اور معلمات کی بوجوہ احکاماتِ حجاب اشد ضرروت ہے)۔

میں یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ ایک چودہ برس کے نویں درجے میں زیرِ تعلیم شادی شدہ کو کن کن شعبوں میں اتنا بہتر روزگار مل سکتا ہے جس سے نہ صرف اس کے گھریلو بلکہ ایک برس بعد ممکنہ طور پر جنم لینے والے بچے کے اخراجات پورے ہوسکیں اور اسے روزمرہ ضروریات کے لئے ہمہ وقت ہاشما کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔

اس وقت جبکہ پاکستان میں نافذ عائلی قوانین کے تحت لڑکی کی شادی کے لئے عمر سولہ اور لڑکے کے لئے اٹھارہ برس مقرر ہے اور پاکستان میں کم عمری کی شادیوں کا رواج بھی اتنا زیادہ نہیں۔ پھر بھی پاکستان میں پانچ برس تک کی عمر کے ایسے بچوں کی تعداد تیس فیصد ہے جن کی جسمانی نشوونما اور وزن ناکافی غذائیت کا شکار ہے۔ پاکستان کا شمار ان دس ممالک میں ہوتا ہے جہاں دورانِ زچگی اموات کی تعداد سب سے زیادہ ہے کیونکہ صحت کی سہولیات اور فی کس طبی اخراجات کے لحاظ سے پاکستان ایک سو پچاسویں نمبر پر ہے۔ جبکہ ابتدائی تعلیم میں داخلے کی شرح کے اعتبار سے عالمی فہرست میں ایک سو چوبیسویں نمبر پر ہے۔ جبکہ پینتیس سے چالیس فیصد آبادی خطِ غربت سے نیچے زندگی گذار رہی ہے اور ہر سال لاکھوں بچے اس ہجومِ غربت کا حصہ بنتے چلے جارہے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ رازق ہے مگر اونٹ کا زانو باندھنے کا بھی تو حکم ہے۔

ان حالات میں کیا اسلامی نظریاتی کونسل یہ سفارش بھی کرے گی کہ جسمانی بلوغت ہوتے ہی شادی کرنے والے جوڑوں کے روزگار، صحت اور تعلیم کی ذمہ داری ریاست لے۔ (وہ ریاست جو آبادی کے اعتبار سے عالمی رینکنگ میں چھٹے نمبر پر اور کم از کم معیارِ زندگی کی عالمی فہرست میں اس وقت ایک سو بیالیسویں نمبر پر ہے)۔

اس وقت صرف چار مسلمان ممالک ایسے ہیں جہاں شادی کے لئے لڑکے و لڑکی کی کوئی طے شدہ عمر نہیں۔ برونائی، سوڈان، سعودی عرب اور یمن۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اسلامی سربراہ کانفرنس کی تنظیم کے ستاون ارکان میں سے اگر مذکورہ چار ممالک کے سوا باقی ترپین (53) رکن ممالک میں چودہ برس سے اکیس برس کے درمیان شادی کی اوسط عمر قانونی طور پر مقرر ہے تو کیا اسلامی نظریاتی کونسل ان ترپین مسلمان ممالک کے عائلی قوانین کے حرام وحلال یا مکروہ ہونے کے بارے میں کوئی رائے دینا چاہے گی؟

بیرسٹر محمد علی جناح نے انیس سو انتیس میں انڈین لجسلیٹو کونسل کے رکن کے طور پر شادی کی کم از کم عمر مقرر کرنے کے قانونی بل کی پرزور حمایت کی۔ اسلامی نظریاتی کونسل جناح صاحب کی اس وکالت کو کس نظر سے دیکھتی ہے؟۔ (خود جناح صاحب کا محترمہ رتن بائی (مریم) سے نکاح ہوا تو اس وقت محترمہ رتن کی عمر سولہ برس تھی گویا وہ بالغ تھیں۔ تاہم ان کی رخصتی اٹھارہ برس کی عمر میں ہوئی)۔

اب فقہ کی روشنی میں ایک ذاتی سا سوال۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے کتنے حاضر وسابق واجب الاحترام ارکان نے جسمانی بلوغت کے فوراً بعد شادی کا اصول اپنے اپنے خاندانوں پر لاگو کیا ہے؟ اس کا جواب کروڑوں پاکستانی مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ بن سکتا ہے۔

جہاں تک یہ معاملہ ہے کہ دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی کی اجازت ضروری ہے کہ نہیں۔ تو مجھ جیسا کم علم اس کھکیڑ میں نہیں پڑنا چاہتا۔ مگر قرآنِ حکیم کی سورہِ نساء میں عورتوں کا ایسا کون سا حق اور فرض ہے کہ جس پر بات نہیں ہوئی۔

''اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں نکاح کر لو۔ دو دو

تین تین چار چار سے۔لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے یا پھر جس پر تمہارا قبضہ (لونڈی) ہو۔اس طرح زیادہ امکان ہے کہ تم ایک طرف نا جھکو''۔(نساء۔آیت تین)

''اور تم عورتوں کے درمیان برابری نہ رکھ سکو گے خواہ تم کتنی ہی خواہش کرو۔مگر پوری طرح ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ کہ اسے لٹکی ہوئی شے کی طرح چھوڑ دو''۔(نساء۔آیت ایک سو انتیس)

کیا ہی اچھا ہو کہ فی زمانہ نکاحِ عرفی' مسیار اور متعہ (مخصوص عرصے کے لئے کی جانے والی مشروط شادی) کے بارے میں بھی اسلامی نظریاتی کونسل کا مؤقف اور سفارشات سامنے آسکیں تا کہ ان نکاحیہ اقسام کے بارے میں بہت سے مسلمانوں میں جو ابہام پایا جاتا ہے وہ دور ہو جائے۔اور یہ بھی کہ آیا نکاح کو دستاویزی شکل دینا اور پھر ریاست کے روبرو رجسٹر کرانا شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟؟؟

کیا یہ حقیقت ہے کہ بیوی پر حقوقِ زوجیت کی ادائیگی اور بچے کو دودھ پلانے کے علاوہ شرعاً کوئی گھریلو ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس کی مرضی شامل نہ ہو اور وہ روزمرہ گھریلو کام کاج کے لئے چاہے تو شوہر سے معاوضہ طلب کر سکتی ہے؟

اگرچہ حق مہر' جائیداد و املاک و ترکے میں عورتوں کے حقوق اور حصے کے بارے میں احکاماتِ خداوندی سورۂ نساء میں نہایت واضح ہیں۔پھر بھی اگر ان پر کوئی عمل نہیں کرتا اور حیلے بہانے اختیار کرتا ہے تو اس بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی کیا سفارشات تھیں' ہیں یا ہوں گی؟

یہ ٹھیک ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رائے کے بموجب زنا بالرضا و بالجبر کے ثبوت کے طور پر ڈی این اے رپورٹ کو کلیدی ثبوت کی حیثیت نہیں دی جا سکتی مگر کیا کونسل ایک بار پھر عوام کی آگہی کے لئے دہرائے گی کہ زنا کی گواہی اور گواہوں کا شرعی معیار کیا ہونا چاہئے؟ اور اس وقت اس جرم کی بابت جو خواتین و حضرات قید ہیں کیا ان کے گواہوں کا معیار وہی ہے جو فقیہانِ عظام نے شریعت کی روشنی میں طے کیا۔اور کیا ایسے مجرموں کی سزا و جزا کا معاملہ ریاست کا حق ہے یا غیر ریاستی قوتیں اور افراد بھی ان کی سزا و جزا کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں؟ اگر جواب نہیں میں ہے تو پھر اپنے تئیں سزا و جزا کا فیصلہ کرنے والے گروہوں اور افراد کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

کیا ایسا بھی ہے کہ روزمرہ زندگی کے بارے میں کچھ تو واضح شرعی احکامات ہیں اور کچھ پہلوؤں کے بارے میں بنیادی شرعی اصول طے کر دیئے گئے ہیں تا کہ زمانی تقاضوں کے مطابق ان اصولوں کی روشنی میں زندگی سہل ہو کر آگے بڑھ سکے۔اگر ایسا نہیں تو پھر میری تعلیم کیجئے۔

اور آخری سوال۔کیا اجتہاد کا در آج بھی کھلا ہے؟ اگر ہاں تو کون اجتہاد کرنے کا اہل ہے اور حدود و قیود کیا ہیں؟۔

امید ہے ان گذارشات و استفسارات کو ایک طالب علمانہ تجسس کے طور پر دیکھا اور پرکھا جائے گا۔کیونکہ ہمیں بچپن سے بتایا جا رہا ہے کہ شرعی مسائل پر جید علما سے کوئی بھی سوال بلا جھجک پوچھ لینا چاہئے اور اس بارے میں از خود فرض کر لینا درست عمل نہیں ہوتا۔

''بشکریہ روزنامہ ایکسپریس لاہور''

☆.....☆.....☆

آفتاب عروج

بزمِ چنیوٹ کے زیر اہتمام خواتین کی قرآنی محفل

آج مورخہ 3 مئی 2014ء بروز ہفتہ گیارہ بجے صبح بزم طلوع اسلام چنیوٹ کے زیر اہتمام محفل خواتین کا انتظام کیا گیا۔ جس کی غرض وغایت خواتین، جنہوں نے آئندہ نسلوں کی تربیت اور نشو ونما کرنی ہے انہیں قرآن کریم کی ہدایات واحکامات سے آگاہی دینا تھا۔ ہمارے لیے یہ بات بھی باعث عزوافتخار تھی کہ خواتین خاصی تعداد میں قرآنی محفل میں شرکت کے لیے تشریف لائیں۔ نظامت کے فرائض محترمہ صوفیہ نیاز صاحبہ نے سنبھال لیے۔ تلاوت قرآن کریم کا اعزاز محترمہ حافظہ گل ناز صاحبہ کے حصے میں آیا۔ اور نعت رسول مقبول محترمہ کومل صاحبہ اور محترمہ حافظہ گل ناز صاحبہ نے مل کر پیش کی۔ اس کے بعد محترمہ زاہدہ رحمٰن خان صاحبہ کو دعوت خطاب دی گئی۔ تعلیماتِ قرآنی سے منسلک ایک خاتون کا اس محفلِ قرآنی میں شریک ہونا ایک حسنِ اتفاق کا اعجاز تھا۔ محترمہ زاہدہ رحمٰن خان کے اپنے خطاب میں تخلیقِ آدم اور قرآن کریم میں قصہ آدم وابلیس کے تمثیلی بیان اور آدم وحوا کا جنت سے خروج پھر دوبارہ واپسی کے طریقہ کار پر قرآنی ہدایات کی روشنی میں تفصیلاً بیان فرمایا۔ اس کے بعد محفل کی ناظمہ محترمہ صوفیہ نیاز نے محترمہ رقیہ طارق صاحبہ کو دعوتِ خطاب دی۔ محترمہ رقیہ طارق صاحبہ ہی وہ پہلی محترم شخصیت ہیں جو گزشتہ عرصہ دراز سے اس محفلِ قرآنی کو آباد کیے ہوئے ہیں بزم چنیوٹ کو جب بھی خواتین کی محفل آرائی کی ضرورت محسوس ہوئی محترمہ رقیہ طارق صاحبہ موسموں کی شدت اور گھریلو ذمہ داریوں کی پروا کیے بغیر تشریف لے آئیں۔ واضح رہے کہ وہ چنیوٹ اور جھنگ کے درمیان ایک قصبہ بھوانہ میں رہائش رکھتی ہیں۔ اور اس خواتین کی قرآنی محفل کو سجاتی ہیں۔ محترمہ رقیہ صاحبہ نے عام فہم زبان میں عورت اور مرد کی رفاقت وکردار اور ان کی ذمہ داریوں پر قرآنی ہدایات واحکامات کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ اظہار خیال فرمایا۔ اس کے بعد پروقار محفلِ قرآنی اختتام کو پہنچی تو میزبان خواتین نے تمام شرکاء محفلِ خواتین کی چائے، بسکٹ اور مٹھائی سے تواضع کی۔

مرتب کردہ: آفتاب عروج

☆.....☆.....☆

سانحہ ارتحال

25 اپریل 2014ء کو بیگم امیر ملک صاحبہ میانوالی میں وفات پاگئیں۔ مرحومہ ادارہ طلوع اسلام کی قدیم رفیقہ تھیں۔ میانوالی میں کئی دہائیوں تک اپنے سکول میں نونہالانِ وطن کی بہترین تعلیم وتربیت کرتی رہیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تبارک مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے۔ ادارہ مرحومہ کے لواحقین، اعزہ واقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

THREE GIANTS AND SYSTEMS*

Saleena Karim

(**Systems* is Karim's award-winning science fiction novel inspired loosely by the Pakistan idea, and which is part of the recommended reading material at the Marghdeen Learning Centre, a subsidiary educational body of Iqbal Academy. Visit libredux.com for more information.)

My brother recently pointed out to me that with the publication of Khurram Ali Shafique's *Iqbal: His Life and Our Times,* I can now claim to have covered three great Muslim personalities of the last century: Jinnah, Iqbal and Parwez. This was something that had never crossed my mind before.

Jinnah and Iqbal rank among the most important figures for Muslims in the Indian subcontinent, while Parwez has had an enormous impact that has yet to be appreciated whether among academia or in the public eye. For myself personally however, the fact that I have had the good fortune to cover these particular three is especially significant. Have a look at the three men in turn, and I hope you'll see what I mean.

First, each respectively represents one of the three Cohesive Ethics[1] principles. Visiting them in chronological order of my publications:

Parwez: Justice

My earliest writing work was the translation of my father's *Quran aur Pakistan*, which was a book containing his poetry and a compilation of various writings from Parwez's work. One of the chapters from this book was a reproduction of a pamphlet of Parwez on Jinnah that I eventually published many years later. And of course, my work on this pamphlet also led directly to my work on Jinnah.

Parwez was a prolific writer, but arguably his most important contribution as a

[1] The Cohesive Ethics Theorem (publication forthcoming but outlined in *Systems*) stipulates that an ideal state must adhere at minimum to three principles: freedom, justice and unity, based on various Quranic verses but especially 2:62 and 5:69.

scholar was his 1955 book *Nizam-i-Rabbubiyyat* (*System of Divine Sustenance*), an economic treatise that took a holistic and groundbreaking view of Quranic terms normally identified with capital interest and religious charity. My father and I have translated this book under the title *The Qur'anic System of Sustenance*[1]. Parwez's strong emphasis on social justice and criticism of capitalism in that book has led even some of his supporters to wrongly think he was a closet communist - despite the fact that he described communism as "a grave danger to humanity" and went to great lengths to reveal the stark differences between materialist communism and his Quran-inspired work. In any case, Parwez's work in this field makes him an unequivocal representative of the justice principle.

Jinnah: Unity

My first full book was on MA Jinnah, and so was its better known sequel, *Secular Jinnah & Pakistan*.

Jinnah represents the unity principle. No, he practically personifies it. He was dubbed the "ambassador of Hindu-Muslim unity" in his early political career; and later, both as the leader of the Pakistan independence movement and as the founding father of the country, "unity" remained his watchword both for "Muslim unity" and for a Pakistani nationality that encompassed its multicultural population. The Pakistani national motto "Faith, Unity, Discipline" was coined by Jinnah during the Pakistan movement. The word "unity" turns up countless times in his speeches and statements and is probably the word that he used more than any other.

Iqbal: Liberty

I wrote a full chapter on Iqbal in *Secular Jinnah & Pakistan* on the crux of his philosophy. My imprint Libredux Publishing has also published two books on his philosophy: *2017: The Battle for Marghdeen* and *Iqbal: His Life and Our Times*. Iqbal's references to the three principles of "equality, solidarity and freedom" of course are the "muse" of the Cohesive Ethics Theorem in *Systems*.

Iqbal undoubtedly represents the liberty principle owing to his emphasis on human will and action, and his calls for a "reconstruction of religious thought in Islam" in the

[1] Published and available from Tolu-i-Islam, Lahore as well as by Libredux Publishing, UK.

famous lectures of the same name. He wanted Muslims to revive the long-abandoned practice of *ijtihad* (lit. "strive"), which amounts to freeing the Muslim community from the shackles of tradition so it can learn to actively adapt with the needs of its time. He dedicated his fifth lecture solely to this topic, describing *ijtihad* as the "principle of movement".

Second, these men have some striking similarities with the characters from Systems who also represent the same respective principles.

Parwez and the Peace Man

Though they are worlds apart, Parwez and Peter Manner (the Peace Man) share some uncanny parallels. Both are lone warriors. Both possess keen insight into the failings of humanity, and its potential. In his writings Parwez calls for a revolution against the three forms of tyranny mentioned in the Quran , while Peter is on a crusade against an unnamed "them" - that is, E3, who represent the same three evils. Both are totally committed to the idea of total justice, though Peter takes it to the extreme: He kills one "worthless" criminal for every friend he has lost in his previous life, and returns every single penny he has taken from the innocent people he robs. Parwez's work on economics, despite not being nearly as dramatic in practice, is nevertheless driven by a similar level conviction in the possibility of absolute justice. Both Parwez and Peter are absolutely determined to see their causes through, irrespective of how others may respond to them. Parwez's sheer tenacity and courage easily match Peter's, as he was more forthright in his calls for religious reformation than even Iqbal, literally risking his life in upholding his views in a hostile religious environment.

Iqbal and the Shaman

The strange similarities between Iqbal and Hitoshi Katayama are too numerous to list in full. Iqbal's poetical inspirations from Revelation include David (*The Persian Psalms*) and Adam (in various works including *Javid Nama*), the namesakes of the twins who are tied to Hitoshi (also known as the Shaman in *Systems*). Both Iqbal and Hitoshi are poets, and both possess musical talent. Both have complex, larger-than-life personalities. Some of the things they say are incorrectly interpreted as being esoteric. Both are frequently accused of ambivalence and contradiction - though this accusation is more justified in Hitoshi's case - and both are aware of, and comfortable

with, being a mystery to others. Each of the two also fulfills his "destiny" in apparently ironic ways that set him apart from his contemporaries - Iqbal through his choice of the seemingly "secular" Jinnah to lead the Muslims of India, and Hitoshi through his decision to destroy the only proof that the Systems Experiment was a success. Both also acknowledge their dark sides, though in different ways: "I have a certain amount of admiration for the Devil," says Iqbal, somewhat tongue-in-cheek, in his first English-language lecture in 1908. Hitoshi would definitely return that remark with his characteristically devilish smile. Indeed, an early edit of Hitoshi's song *This is my Fate* in the novel contained the lyrics "blessed in the Devil's light".

Jinnah and "Agent Numbskull"

Jinnah and Aaron Lloyd (named after the Prophet) both uphold the unity principle in precisely the same way, through a shared sense of inclusiveness. Aaron asks Hitoshi to join forces with him to try and defeat their common enemy, even after learning the truth about Hitoshi's background. Similarly Jinnah asked Muslim religious and political leaders alike to set aside their differences in order to rally around a common goal, though he was well aware of their shortcomings. Jinnah also shares what Hitoshi rudely calls the "numbskull" trait with Aaron - that is, both Aaron and Jinnah come across as cold and unreadable, one by virtue of a cranial chip, the other by his behaviour. Yet in fact both are deeply compassionate underneath the surface, and are really using the system to fight the system. Jinnah uses his British training in constitutional law to fight against the British Raj, while Aaron is an agent working for, and secretly fighting against, the very organisation responsible for killing his father and destroying his legacy. And on that note, both Jinnah and Aaron stand against benevolent dictatorships.

Finally, a disclaimer.

The connections between these three makers of history and the three leading men from *Systems* are remarkable, but by no means were any of the fictional characters consciously (or unconsciously) inspired by the historical figures. However, one of the three men *did* directly inspire another character in *Systems*, namely the eccentric professor Dr. Hanif Omar.

I'll leave it to you to decide which one it was.

Surah *Al-Qiyamah* (القیامۃ) – Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter 25

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

My dear friends, today is March 30, 1984 and today's lecture starts with verse 16 of Surah *Al-Qiyamah* (القیامۃ) (75:16). Since there has been a gap of two weeks since our last lecture (as last Friday was a special lecture) I have decided to summarize the discussion of our lecture of March 16: The result of every human action has a consequence. This is logged in a record book of deeds. But this record is not kept somewhere outside but is imprinted on the self of human beings. For the sake of explanation the Quran tells that it is rolled up now but it will be opened up on the Day of Judgment. And no one but the individual himself will read his record that day; he will serve as a witness against himself; and he will pronounce his own judgment.

Traditional interpretation in connection with revelation

My dear friends, there are places in the Quran that especially require more pondering. This is one of those places. As I had mentioned before, the next four verses require great deal of thought and understanding (75:16-20):

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ; اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ; فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ; ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ; كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ

– The traditional translation of these verses is: Archangel Gabriel used to bring and recite the revelation to the Prophet (PBUH). The Prophet (PBUH) used to read faster and faster in order to catch up to Gabriel and also to make sure that he does not miss any word. On this, Allah said to Prophet (PBUH) there is no need for you to move your tongue fast. Whatever Gabriel is saying keep listening attentively. Do not worry and do not be anxious that you may forget something. We will make sure that you remember the entire revelation. We will not let you forget anything.

Noteworthy points regarding revelation

My dear friends! This way of reciting the revelation by Gabriel as stated above and of listening by the Prophet (PBUH) and then repeating it – is not compatible with the

concept of revelation of the Quran. From my in-depth study of the Quran; and from my understanding and point of view, the above traditional translation of these four verses is not acceptable; because if we accept it, then the essence of the revelation is changed. The Quran states that Gabriel used to reveal the revelation (وحی) on the heart of the Prophet (PBUH). So, the above traditional translation –that the Prophet (PBUH) repeated the recitation of Gabriel and that the Prophet (PBUH) was afraid of forgetting some words – does not fit with this Quranic description of revelation being revealed on the heart of the Prophet (PBUH) and of Allah's 100% guarantee of its protection.

Second, there remains no harmony between the previous verses and these four verses if we accept the traditional translation. The previous verses were talking about the consequences of human actions and record of deeds, and how these wrong-doers presented excuses to justify their past actions. And, they were told that no matter how many justificatory reasons they could give, it was not going to be of any benefit to them; that Allah knows what they did and what their consequences would be? The next verse after these four verses is: (75:20) كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ – You are opposed to the concept of life-after-death because you have only immediate gains in mind. You think that the objective of life is only to have worldly gains. So, the same theme is continuing after these four verses as the topic that was under discussion before these four verses. So, it makes sense that in order to maintain continuity with the topic we should ponder and harmonize the meaning of these four verses with them. As far as the issue of haste in connection with the Quran is concerned, there is another place it has come in the Quran but its meaning is different from this place. There is no mention of Gabriel reciting; nor that of the Prophet (PBUH) repeating it in hurry. There, it is said: (20:114) وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ – Be not in haste with the Qur'an before its revelation to thee is completed.

My dear friends, the Quran was being revealed in stages. It seems the Prophet (PBUH) used to give practical shape as code of life based on the revelation revealed to him at a stage. He used to practice it himself and made his companions practice it as well. And thus he used to move this system forward step by step. Here, the Prophet (PBUH) was being told not to hurry to start the implementation process unless the

revelation on a particular topic was complete. Hurrying to recite does not make sense here as the traditional translation suggests. There is nothing here suggesting reciting the words of revelation but it does suggest the idea of implementing the revelation in real life based on the completion of the message relating to a particular topic.

In these verses the entire focus is on implementation in real life

My dear friends, there are two points worth pondering here: – 1) the reality and the essence of revelation is not compatible with the view as described by the traditional translation and 2) there remains no harmony and continuity of the subject matter between these four verses and the preceding and the succeeding verses. So, I think, in the light of my understanding of the Quran, the traditional translation of these four verses (75:16-19) is not right.

So, now, let us see what the meaning of these four verses is in light of our above discussion. The previous verse was (75:15): وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ – No excuse, no amount of crooked arguments will help that day. Next is the first of these four verses under discussion (75:16): لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ – No amount of fast talking will help you today. Your arguments are meaningless and they are not going to have any effect; that they are not going to change the results of your actions. This is because whatever you have done, it was necessary that We gather and protect it (75:17): اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ . We have protected it and you have to follow it (75:18): فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ. It is absolutely clear now that wherever your deed of record takes you today that is where you have to go (75:19): ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ . If it takes you to Hell, that's where you go; if it takes you to Heaven then you go to Heaven. The day for revealing the record of your actions has come now. Dear friends, I think the above meaning of these verses (75:16-75:19) perfectly fits with what has been said before. The next verse is: (75:20) كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ – You are so averse to the concept of life-after-death that you have only immediate gains in mind. You think that the objective of life is only to have worldly gains. So, it is clear that they knowingly practiced such a wrong lifestyle.

The materialistic concept of life – Animalism

If you remember, my dear friends, the essence of Quranic teaching is that human life is not just the material life. Material life is related to animal aspect of human life.

There is another life of humans which may be called "human-life" or the "life of human-self." Human actions leave their imprint on the human-self. This is the life – the life of the human-self – that moves forward after human's physical death. It is this life of the human-self that the appearance of results of the actions performed in the world is related to and is accountable for in the Hereafter. Those who consider that life is only of this world; and think that it ends with the physical death; and do not believe in the Hereafter: – the Quran calls this type of life as the life of immediate or short-term gain in contrast to the long-term gain of the life of the Hereafter. Animalism is the concept of life in which it is okay to acquire anything related to immediate gain by any means – right or wrong – without regard to its effect on human self. The Quran says that those who indulge in this type of life will be driven to Hell in the afterlife by the results of their own deeds of this world. This is the reason the Quran says: كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ; وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ (75:20-21) – they love this fleeting life; and give no thought to the life to come. The Quran has brought الآخِرَةَ in contrast to العَاجِلة here. These people do not pay any attention as to what future effect of their behavior will be on their afterlife and on their final destiny in the Hereafter. Although this life does give them immediate benefits which are very attractive and noticeable (called العَاجِلة in verse 75:20 above) but their long-term future – called الآخِرَةَ in verse 75:21 above – remains unobservable because it requires deeper perspective. The Quran says that these two ways of life, in fact, are essentially two concepts of life, or two ideologies of life. From this point of view one can also call them two types of people: Those who would have kept their long-term (الآخِرَةَ) interests in mind will go to Heaven on the Day of Accountability; and those who would have kept only their short-term (العَاجِلة) benefits in front of them will be headed to Hell. The Day of Accountability in the afterlife is a fact; but it begins here, in this world itself. Both Heaven and Hell start from here, in this world, and continue to the other world.

Sacrificing short-term benefits for the sake of afterlife

My dear friends, those who believe and keep in mind the Hereafter, if it comes to sacrificing their short-term benefits then they gladly do it for the sake of their long-term benefit, because they know that life is a continuous stream, and will continue to move forward after this life. The Quran says: وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ; إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (75:22-23) –

Some faces will on that Day be bright with happiness, looking up to their Sustainer. It is normally mentioned that people will see Allah on the Day of Judgment. I do not want to get into philosophical discussion, but I do want to say that, according to the concept of Allah that the Quran has given, He cannot be seen by physical eyes. What to say of common people, He could not be seen even by the Prophet's eyes. When Prophet Musa (PBUH) expressed the desire to see Allah, he was told: لَنْ تَرَانِيْ (7:143) – You cannot see me. Allah is beyond physical perception and beyond human thought and comprehension. Whatever attributes Allah has given about Himself in the Quran, they can be comprehended by human mind, but Allah Himself is *beyond* human comprehension. So, if we believe that we will see Allah physically in the Hereafter then it goes against the concept of Allah given in the Quran.

The Quran has presented the life of the Hereafter in the form of parable and example

My dear friends, what kind of life would be in the Hereafter, we cannot discern at this time? The Quran has described the life of the Hereafter in the form of example and parable. When the Quran mentions that there will be gardens in Heaven where rivers will be flowing then it does not mean that those gardens and rivers would be like gardens and rivers of this world. The Quran has said that these are described in the form of metaphors and similes and for examples only. These will be gifts and rewards by the Grace of Allah. In the verse above and in many other verses رَبٌّ really means provider of nourishment. Then why not take, that for the people of Heaven, there will abundant nourishment; and their life would very comfortable and their faces will be glowing with happiness. In contrast to them, the Quran describes the condition of those who only worked for their short-tern benefits in their worldly life: وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ; تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ (75:24-25) – and some faces will on that Day be overcast with despair, knowing that a crushing calamity is about to befall them. The result of their greedy actions will appear in the Hereafter in dreadful form. They spent all their life in the world in material comfort and luxury by hook or by crook; and they thought that they will never be held accountable, but, in the Hereafter, they will face the consequences of their actions and will be held accountable for all their wrong-doings. فاقِرَةٌ means backbreaking calamity. Here, they are being told that they

should not doubt the life of the Hereafter, they should not doubt their long-term interests; they should not doubt that they will be held accountable. The Quran simply says: كَلَّا (75:26) – they are denying the life of the Hereafter. But they will have to face it anyway. It says: كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ; وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ; وَّظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ; وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ (75:26-29) – NAY, but when [the last breath] comes up to the throat [of a dying man], and people ask, "Is there any wizard [that could save him]?" the while he [himself] knows that this is the parting, and is enwrapped in the pangs of death.

My dear friends! I had mentioned that in the last two three parts (جز) of the Quran the verses are short, sometimes comprising of only two or three words, but they contain an ocean of meaning; and from the literary point of view they reach extraordinary levels. It seems as if they have reached the highest form of poetry.

The Quran tells here (75:26-29) that when someone is about to die, he and those around him want to use every possible means of cure, and even resorting to mystical and occult practices. They say: no matter if medicines don't work. Let us call a wizard (aka پیر صاحب). But he used all kinds of immoral means to enrich himself with material things; and now he is interested in superstition and witchcraft, so that, somehow, he could be saved from death; or at least his pain could be lessened. He reached far and wide when it came to life of this world. And, when he was told that do not engage in wrong activities to pile short-term gains then he did not listen. He was arrogant in his transgressions and exploitation. Then, he did not listen, but, now, he wants wizards and occult practitioners to help him. What a beautiful style the Quran has used to convey this message! When he is now near death – he leaves behind all his logic, philosophy, and physical means which he used so much in order to gain material short-term benefits in life – and, he wants help from witchcraft and wizardry that he used to dismiss in his life, in the hope that, perhaps, they might help him. How helpless he is today? But the fact is: calamities will keep on piling up on top of each other for him because of what he did in his worldly life.

My dear friends! ساق is an Arabic word which literally means ankle. But metaphorically, it means extreme and intense calamity. Here the Quran says that his calamity will keep on increasing. Then it says: إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ (75:30) – at that time towards thy Sustainer does he feel impelled to turn! The word مساق is used when

someone is driving a group of livestock by force. This is a miracle of the Quran: to put it *all* in just one word – مساق! These people would be dragged towards the court of Allah like livestock. What a great way to describe this scenario?! This is worth pondering!

My dear friends! An extremely effective way to convey a message in literature is to use contrasts of opposites. Usually, this is done in poetry. In Arabic language this is usually taken to another level as it has hundreds and even thousands of word patterns. Therefore, this becomes especially a very subtle and delicate power of expression.

The meaning of صدق (*Sidq*) vs. کذب (*Kizb*) and صلہ (*Sallah*) vs. تولہ (*Tawallah*)

This characteristic of contrasts and opposites is highly visible in the next two verses: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى (75:31) and: وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (75:32). Here كَذَّبَ has come against صَدَّقَ. This is because he did not confirm the truth. This isn't just that he did not confirm, and keep quiet? Not at all! In fact, he was actively refuting the truth. Keeping these two opposites together, the meaning becomes completely clear. He was not just refuting it but was vigorously opposing it. Next: تَوَلّٰى has come against صلّٰى. تَوَلّٰى means to evade an issue, find out loopholes to avoid the truth. In contrast to this صلّٰى has come. Now our traditional translators say that he was not praying صلاہ. *Yes*! صلاہ is extremely important thing. But this translation does not fit with the Quran's literary miracle of using contrasts and opposites. The Quran has brought here صلّٰى in opposition and contrast with تَوَلّٰى which means trying to avoid the truth. Therefore, the opposite of it should be the meaning of صَلّٰى: to follow truth sincerely and cogently. The root of صلاہ is ص - ل - و which means: to follow someone on a straight path. مصلّی is the horse in a racecourse that continuously follows the number one horse so closely that its ears are close to the number one horse's midriff. That is, there is no gap between the two horses. But, now, مصلّی means نمازی (worshipper). Please keep in mind this root meaning of صلاہ.

The method of understanding the Quran

My dear friends, please forgive me if I keep on repeating the process of how to understand the Quran. But I think it is necessary to do it. Here, again, let me explain the process: 1) One has to keep in front the root meaning of the Quranic words; 2)

then one has to look into all the meanings that these words are used in Arabic language; 3) and then one has to see which meaning best fits in a particular verse. If you do all this then you will be able to understand the Quran in its entirety. There will be no difficulty; no contradictions; no differences in interpretation; and no confusion or doubt anywhere in the Quran. If you won't do this then you will find doubt in every verse. Take for example the verses (75:31-32) under discussion which possess high quality literary characteristic: In contrast to صَدَّقَ (truth) its antonym كَذَّبَ (belie) is used to clarify its meaning very succinctly. But what does this person belie exactly. The next verse explains it by yet another example of contrast and opposite: the word صَلّٰی is used against تَوَلّٰی to explain what it is that he is belying? Well! he is belying the truth of Allah's laws; he is not affirming its reality; he is trying to evade and avoid it. What is he trying to evade and avoid it? There should come another word which is the opposite of تَوَلّٰی; and that word is صَلّٰی, i.e., he does not follow the straight path (الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ); he is trying to evade it and follow his vain desires. Now, the matter has become absolutely clear.

Who are these people who belie the truth; and do not want to follow the straight path? Do you know what is the difference between تکفیر and تکذیب? تکفیر is to outright reject something. But تکذیب is to keep saying with the tongue that I believe something; that I accept it – but act otherwise. For example, to keep saying with the tongue لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ – that there is no other sovereign in the earth and in the heaven except Allah – but in practice accept every other person as إِلٰهَ (authority). This is what is called تکذیب. And تصدیق is: whatever is claimed by tongue is also translated into action, is also reflected in practice.

Meaning of تکذیب and its implications

My dear friends! It is not enough to say with our tongues لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ and then from tall minarets, using loud speakers, proclaim to the whole world: **أشهدُ أنْ لا إلٰهَ إلاَّ اللّٰه**. But it is also to prove by our action in practice that we are providing the evidence for it; that we are witness to the fact that no other sovereign is ruler in our lives except Allah. Allah-u-Akbar! How great is this witness!! But what *is* happening today? Are we truthful? Are we not by our lives and by our actions belying our claim to Shahada: **أشــهدُ أنْ لا إلٰهَ إلاَّ اللّٰه**? On the other hand, Hindu does not belie it because he does not

accept it; he outright rejects it? The same applies to all others who do not believe in أشـهدُ أنْ لا إلـهَ إلاَّ الله. But, we keep on repeating the words أشـهدُ أنْ لا إلـهَ إلاَّ الله and keep on belying it by our actions: *This* is what is called تکذیب.

That is why the Quran has used كَذَّبَ against صَدَّقَ. Coming back now to the verse (75:32): It says that he tries to rationalize his actions by crooked arguments; and he tries to avoid and evade the truth. He does not follow the straight path (الصِّرَاطَ المُسـتَقِيمَ). He finds out ways to evade it (تَوَلّٰى): In spite of the warning of the Quran against hoarding wealth; in spite of the fact that the Quran says he will be burnt with that wealth in the Hellfire – he keeps on piling wealth on top of wealth; and thinks that by giving a little in charity he will be saved that day. This is the way he avoids the straight path. ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ يَتَمَطّٰى (75:33) – And then he went arrogantly back to where he had come from. In another place in the Quran it is mentioned that when he is told: Now that you have attained such a comfortable life here, you should also think about the Hereafter as to what will happen there? He says that I have taken care of that. When asked what has he done? He says: I will have a beautiful house there because I have built a beautiful mosque here.

My dear friends, he does not feel any shame; and he arrogantly comes to his people. But: اَوۡلٰى لَكَ فَاَوۡلٰى ; ثُمَّ اَوۡلٰى لَكَ فَاَوۡلٰى (75:34-35) – "Woe to you, O unfortunate person! How good it would have been for you (had you followed the Divine law)? Alas! You could have understood how useful this course would have been for you." And then the next thing is that: اَيَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ يُّتۡرَكَ سُدًى (75:36) – Does man think that he will be left unaccounted for his deeds? The word سُدًى means: not being held accountable and living life aimlessly. The biggest mistake of man is that he thinks that life has neither any objective, nor a destination. He thinks that life has neither any established path, nor any directives guiding him to the right way. He believes he has been left alone (like a stray camel) to do whatever he chooses to do and go wherever he likes to go. Consequently, man only works towards the physical gains of life, without trying to develop his own human self. Thus, all his life's efforts go waste (despite the fact that life is an integrated whole and holistic, involving both short-term and log-term gains). In other words, life is the integration of the worldly objectives within the limits of the divine code and principles of *Deen*. If *Deen* and worldly life; spirit and

matter; and permanent values as well as political and social ways are not integrated properly, then the whole purpose of human life is defeated. Divine guidance teaches us integration and thus makes human effort meaningful and purposeful.

The Universe and human life has a purpose

According to the Quran there is a purpose of this Universe, and especially of human life. What is the purpose of this Universe, we don't know? But the human life has been created for a purpose. Allama Iqbla (1877-1938) correctly said that it is a fact that there is purpose of human life. My dear friends, there is a goal and a destiny of human life. That which has been created for a purpose cannot be useless. The Quran says: أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا (23:115) – "Do you think that you have been created without any purpose or goal? That you came into this world just by chance to spend few days; then revert to dust; and then the story of life is over? And, therefore, you can go on doing whatever you like to do? That there will be no accountability; that there will be no seizure by Our Law of Requital; and that you will not come back to Us to answer for all that you have done?" Yes, you will be held accountable. Then why are you behaving as if there would be no accountability? Don't you believe in accountability? Don't you accept its truth? You proclaim with your tongue that you believe in it but you do not affirm it by your actions. You belie it by your actions instead.

Meaning of the word سُدًى

The word سُدًى contains great philosophical depth within itself: it implies عَبَثً and useless! But what exactly is this? It sounds strange that I often keep saying that these Arab people were illiterate; Mecca was their capital city (أُمَّ القُرَى); this was their center of caravans' trade because of Kaba. But there were only 17 or so people who were literate enough just to read and write what to say of having knowledge and education. No wonder, that this has appropriately been called the period of ignorance (جاھلیہ) as that whole nation was covered in darkness. This was the mental state of these people! But it is a miracle that this powerful language was created by *these* people of *that* period!! It is difficult to imagine that *these* people created Arabic language, having words with so much deep and lofty meaning. How could they

conceive of such deep thoughts expressed in a single word? It is simply amazing! Take for example this word سُدًی – that which is عَبَثً and useless is سُدًی. This is worth pondering, and amazing at the same time. I have stressed again and again that if the root meanings of the words are in front of us then the Quranic meaning springs up very clearly.

How did they use the word سُدًی? They used this word to describe an activity that is done continuously but produces no results; and it has no goals. Please keep *these* conditions in mind, my freinds: that there is continuous activity going on; that there is continuous effort being spent– all these are there but there is no result. How to explain this? Well! The Arabs explained this amazingly by a single word: سُدًی – that is based on the following scenario: In weaving cloth, the warps are the set of lengthwise yarns that are held in tension on a frame or loom. The yarn that is inserted over-and-under the warp threads, is called woof. Without both – the warps and the woofs – there will be no cloth (ثوب). Once both are there then only it becomes ثواب. If there are only warps and no woofs, then no matter how long and how strong the warps are, there will be no cloth; and all that effort would have been useless. The same will be true if there are only woofs and no warps. Be they (the warps of) secular life or material life or simply worldly life – if there are no woofs in it of permanent values then that kind of life would have been useless. Likewise, on the other hand, if there is only monastic life or life based on customs, traditions, or man-made *Shariah* – then there are only woofs, but no warps. There are only warps on one side, and there are only woofs, on the other. Both kinds of lifestyles are busy all their lives but all that effort will go waste – will become: حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ. It is amazing that, this one single word, سُدًی describes all of that! Life is supposed to be based on proper integration of both warps and woofs. How correctly Allama Iqbal (1877-1938) said: If the *Deen* departs from politics then the only thing left is *Genghism*.

Mysticism is also only warp

My dear friends! *Deen* is not religion. Religion in fact consists of only warps. So is mysticism. And, what we call spiritualism is nothing but self-deception. Mechanically following all the rituals is putting only warps without any woofs. On the other hand, materialistic system of life is weaving only woofs without any

restraint provided by the warps of divine values. Life is a balance between *Deen* and world; between short-term and long-term goals. I avoid using the word روحانی (*Roohani*) because it is normally associated with spiritualism – which is only warps with no woofs. That is why I use the term "human values" instead of "spiritual or روحانی" values. When "human values" are combined with "material values" then we have *Deen*, i.e., the combination of both warps and woofs produces *Deen*. What to say of these Arab people! From the combination of these warps and woofs we get cloth or ثوب. Therefore, if something is done like this then we get ثواب ; if it is not done like this then we don't get ثواب. Some have warps only; and some have woofs only. Both groups remain under self-deception that they are doing great work!

If the woof is not there then all the effort involved with warp goes waste

My dear friends! Before the warps and woofs, there is the initial step of preparing the yarn. Initially the yarns come in bails. The weaver's families – usually the women – prepare the first step in this process. They spread the yarn across two wooden posts kept apart across a distance; and they go back and forth between the wooden posts carrying the yarn. They do this all day manually walking back and forth between the posts. But if this is left there then the whole process becomes meaningless. There is phrase that is used in our language which means: if the woof does not happen then all the effort involved with warp goes waste. The Quran says about this: حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ (3:22) – all their effort comes to naught.

Does man think that there is no one to hold him accountable? All his life he continues to do only warp, and thinks that he is weaving a very beautiful cloth? Allah says that this is not the case. With the combination of warps and woofs, life will become beautiful and will produce tangible and real outcome. That is, when the knowledge and power of the material world provides the warps and when the Divine values are integrated with it as woofs, only then life's goal will be complete. Otherwise, if one of these two components – either the warps (of the material world) or the woofs (of the divine values) – is missing then all of man's effort will go waste no matter how superficially it is propped up: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (75:36) – Does man think that he will be left unaccounted? This one word "سُدًى" says it all, my dear friends!

The reality of the Hereafter

Will there be life after death? In the verse 75:3 we had seen that Meccans objected to this. They said that when man has died; when his body has decayed; when insects have eaten him up; that when his body has disappeared into the dust – then how could he become alive again? The Quran said that, first of all, you cannot comprehend what kind of life that would be; but if your objection is that it is impossible to do, then look at the Universe? It came into existence from nothingness? All the scientists agree on this. So if this is the case that Allah, who created the entire Universe from nothingness, then why is it not possible for Him to bring man back to life after death? – After all there is something of his remains, even though it may be in the form of ash or dust. After this the Quran says: لَا بُرْهَانَ لَهٗ (23:117) – they do not have any rebuttal for it. The Universe after its creation from nothingness enters into the physical universe of cause-and-effect where laws of nature hold and control its operation. And using these laws scientists can create new things from existing things by mixing them in due proportion and by creating proper environment. This creation of new things from existing things by scientists is not the same thing as creating a thing from nothingness.

Proof and logic based on knowledge – turning physical eye into mind's eye

My dear friends, the Quran challenges all the scientists of the world and asks: You are able to create new things from all these existing things. But wherefrom the existing things came? Wherefrom the original elements came? So, If Allah can bring into existence this huge Universe into existence from nothingness then can't he bring human beings back to life again? How solid is this argument, if you want to understand it using logic and proof? Look at your creation? You should bear in mind that man has passed through various stages to attain the human form. Could you have comprehended that a drop of semen contained within itself the potential of becoming a full-fledged human being. The next verse is: أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَى – In the beginning he was drop of semen which was dropped in the womb. Scientists and doctors tell us also that life began with a drop of semen that contains millions of sperms which can produce many children. How does the beginning of human life happen? Every human being begins life as a single cell, formed when male's sperm fertilizes the

female's egg. But the question is: wherefrom the cell came? It is so small that it is invisible to the naked eye. One needs powerful microscope to see it. Also, it is not that it is in the form of a small human being? Then what it is? It is just an extremely tiny point. Now, by looking at this tiny point if one is told that your father is hiding in it, then no one will accept it although he was there in it. In a little seed is hidden a giant tree. In a tiny cell is hidden a full human being. The Quran says that human life started from a single cell and: ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً (75:38) – Then it became a leech-like clot. In other places the Quran has described the stages through which the human embryo goes through inside the mother's womb. Could man ever have imagined that from this tiny cell he would become like full-fledged human being? The Quran further explains: فَخَلَقَ فَسَوّٰى (75:38) – then He fashioned it into an extremely well-proportioned shape. That original lump of flesh then became this highly proportioned human being: with beautiful face and eyes, ears, and mouth; having arms, legs and fingers. These are all there now. My dear friends, سَوَّى means to remove extra stuff and to fashion and to transform into an object of beauty and utility. Please remember! One of the attributes of Allah is المُصَوِّرُ (*Al-Musawwir*) – Shaper of beauty.

The example of pottery maker

My dear friends! You can get a picture of this from the pottery maker who puts a lump of clay on potter's wheel. Then he spins the wheel. And do you know what he does after that? He turns the original lump of clay into beautiful new objects by shaping and trimming extra clay. The whole process he follows is very interesting. He has a thread and some water. He trims extra clay from the spinning clay by the thread and dips it in the water to remove the clay sticking with the thread. He repeats this process back and forth. And thus he turns the lump of clay into different objects with his hands into different kinds of beautiful pots, pans, and tumblers, etc. This is المُصَوِّرُ (*Al-Musawwir*) – Shaper of beauty. This process of trimming and producing a perfectly proportioned and beautiful object is called تسویہ. Here the Quran has said: فَخَلَقَ فَسَوّٰى (75:38) – then He fashioned it into an extremely well-proportioned shape. No human does this; nor even the father or the mother; neither is any machinery there that does this trimming and proportioning. The big question is: How does this happen then inside the mother's womb without any outside help or interference? Well! The

answer is obvious if one is willing to listen: It is *the* divine law that does this. And not just of one type but of two types as Allah says in the next verse: فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ (75:39) – and then He fashioned out of it the two sexes, the male and the female each with different characteristics – although both are from the same single cell. The Quran says that just ponder on this little thing. Then it says: أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ (75:40) – Is not He, then; able to bring the dead back to life? What an excellent way to explain and to provide logical reasoning for this?! The argument was to prove that the human life is not just the life of this world but continues further after death. That life of the Hereafter depends on the deeds that man does in this world. Either it goes further through the process of evolution or gets stuck at the same place and does not move further. This getting stuck at one place is called Hell and in Arabic is called جَهَنَّمَ (*Jahannam*) or جحیم (*Jaheem*). For the unrestrained life of the world of power and material possessions, this Quranic concept of life was in the way for them when they used to say: No! How can he come to life when we bury the dead human and the earth swallows him? Some burn him and he disappears into heap of ash, and others throw him in the water where fish eat him. So, how come he could be brought back to life? This won't happen; that everything disappears with death, they used to say.

Matter never vanishes

But the Quran keeps warning: – Ask scientists: Can matter just disappear? Scientists tell that matter never disappears. "Never disappears" means that it does not turn into nothingness. It never happens that its existence turns into non-existence. It changes form but never vanishes. So, the authority which changed the form of the single cell and transformed it into a healthy child; and then, that child turned into a healthy adult human being – can't that authority turn, what you call a dead human, into a living one again, though not in the same form, as the Quran says at other places? The Quran says that your conscious mind cannot understand what kind of life form that would be? Just understand that that life would be life of the individual self. Every individual self would remember his previous life. He will see his record of deeds and recognize all that is written in it.

The biggest hell

My dear friends: please do not forget what I call the biggest hell of all. The Quran says that you will be there and everyone else will also be there with whom you had been living and interacted with in the world: those whom you deceived; those with whom you behaved as a hypocrite; those with whom you had lied – but all these things were hidden when you were living in the world as a well-respected and trusted man in the society. But here, in Hell, everything you hid from the people will be laid bare open for all of them to see. Oh! How hellish that situation will be? In his life in the world he used to come up with hundred lies to cover up one lie and apparently maintained his trust with the people whom he dealt with. But in the Hereafter, all those people will be there, and everything will be out in the open in front of them. And also open will be what was in his heart and how he was deceiving people. They will ask him: You honorable one! You pretended to us to be very pious and trustworthy person but in reality you were *this*? Then the Quran says that no excuse or deception will work there. Reality will be out into the open there. This is the biggest hell, my dear friends! So, this is the main point of the Quran's teaching that man's every action, his every deed, his every intention, and his every desire is bound to produce result. If not here, then in the Hereafter! This is the essence of Quran's entire teaching.

My dear friends, Surah *Al-Qiyamah* (القيامة) is finished with this verse. Next we will take up Surah Al-Dahr (الدَّهْر): هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (76:1). Has there not been an endless span of time before man appeared - a time when he was not yet a thing to be thought of? How appropriate that this chapter starts with the topic of where Surah *Al-Qiyamah* (القيامة) ended! There is no word in any dictionary which could describe what man was before non-existence (عدم). This we will take up in the next lecture.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

☆.....☆.....☆